معارف الفتح والرحیم
تدریس قرآن
کے رہنما اصول
بیان فرمودہ
استاذ الاساتذہ، خادم القرآن
حضرت مولانا قاری محمد یٰسین مدظلہم العالی
مہتمم جامعہ دارالقرآن، جامعہ ضیاء القرآن فیصل آباد
ترتیب وتدوین
مفتی محمد حسین
عمر فاروق راشد

بیان فرمودہ

اُستاذ الاساتذہ، خادمُ القرآن

حضرت مولانا قاری محمد یٰسین مدظلہم العالی

مہتمم جامعہ دار القرآن، جامعہ ضیاء القرآن فیصل آباد

ترتیب و تدوین

مفتی محمد حسین   عمر فاروق راشد

ادارہ معارف الفتح والرحیم فیصل آباد

نام کتاب .... تدریس قرآن کے رہنما اصول

فرمودات .... مولانا قاری محمد یاسین، فیصل آباد

ترتیب وتدوین .... مفتی محمد حسین، عمر فاروق راشد

(0300-3369748)

ناشر .... ادارہ معارف الفتح والرحیم، فیصل آباد

اشاعت اول .... مارچ 2013ء

اشاعت دوئم .... مارچ 2014ء

ملنے کے پتے

فیصل آباد: مکتبہ عثمان غنی، جامعہ دار القرآن مسلم ٹاؤن، فیصل آباد۔ 0300-7203324

جہلم: جامعہ حسینیہ، منگلہ روڈ، اڈانکودر، ضلع جہلم۔ 0300-5407083

لاہور: مکتبہ سلطان عالمگیر، 5 لوئر مال، اردو بازار، لاہور۔ 042-37357855

کراچی: جامعہ دار القرآن رحیمیہ غنی الیون فٹبال گراؤنڈ، پرانی سبزی منڈی، کراچی۔ 0300-3369748

کراچی: مکتبہ الرشید معراج منزل نزد جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 0321-2045610

کراچی: مدرسہ روضۃ القرآن عزیز آباد نمبر 2، کراچی۔ 0300-2218025
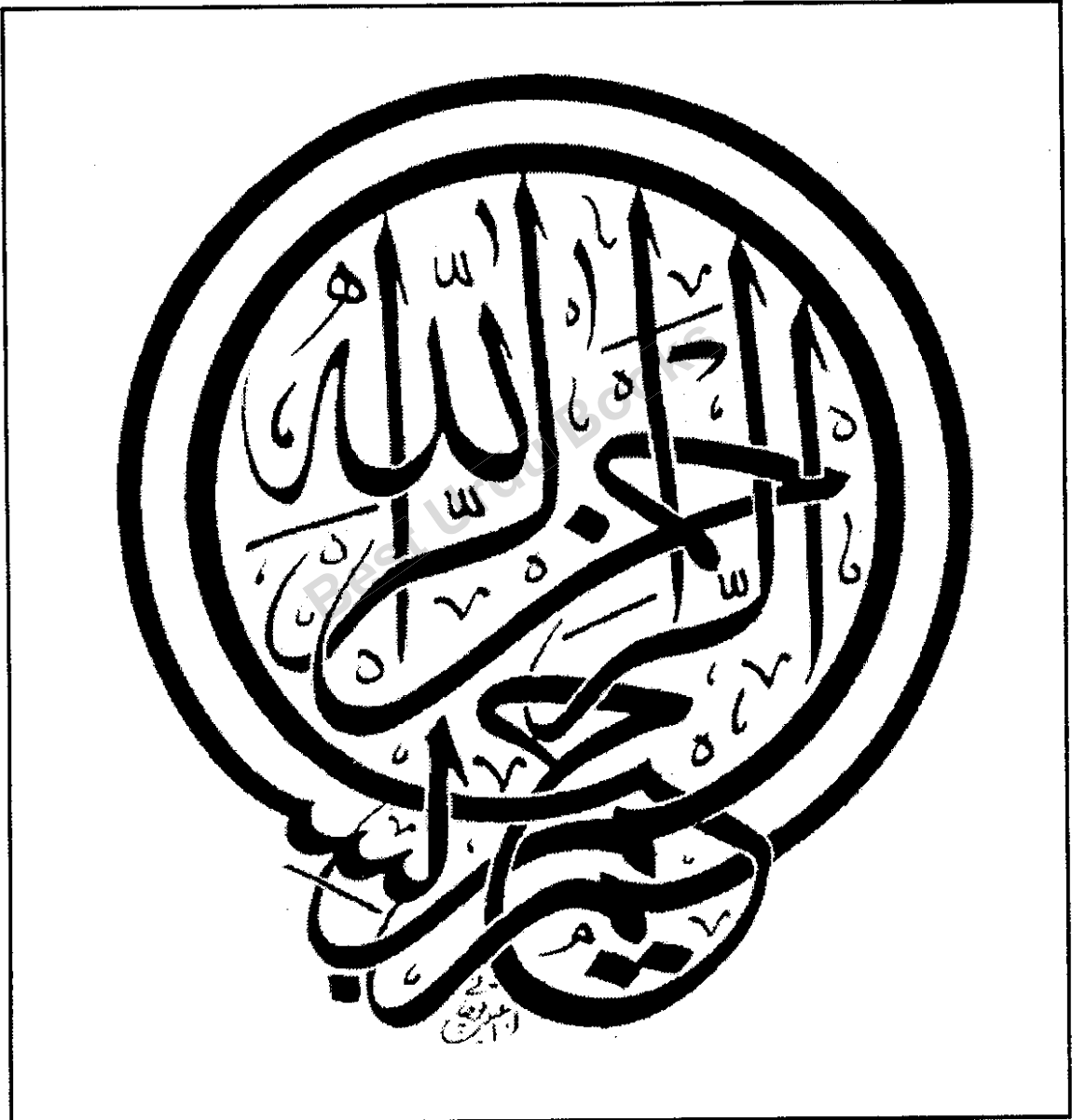
فرمایا:

"جب کوئی بچہ مجھے سبق نہیں سناتا... میرے گلے سے لقمہ نیچے نہیں اترتا... میرا خیال ہر وقت اسی طرف لگا رہتا ہے... رات کو بستر پر لیٹے لیٹے سوچتا رہتا ہوں... آج اس بچے نے سبق کیوں نہیں سنایا؟... اس کی وجہ کیا ہے؟.. اس کی وجوہات میں غور کرنے لگتا ہوں... یہ خیال مجھے پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتا ہے... کہیں ایسا میری اپنی غفلت کی وجہ سے تو نہیں ہوا... سوچتا ہوں... وہ بچہ ہی کند ذہن ہے یا پھر اس کی طرف مجھے جیسی توجہ کرنی چاہیے تھی ویسی توجہ میں نہیں کر سکا۔"

(مجدد القراآت حضرت مولانا قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ)

ترتیب

آئینہ مضامین

کچھ صاحب کتاب کے بارے میں

پہلا باب: تمہیدی گزارشات؛ ایک مثالی مدرس قرآن

دوسرا باب: کامیاب مدرس قرآن کے اوصاف

تیسرا باب: چند قابل اصلاح امور

چوتھا باب: تدریس قرآن

(ابتدائی قاعدے سے فارغ التحصیل ہونے تک)

پانچواں باب: آپ کی مشکلات کا حل

چھٹا باب: اساتذۂ فن کے سبق آموز واقعات

ساتواں باب: اپنے طلبہ کی تربیت ایسے کریں

❁ موضوعات برائے مذاکرہ

☆☆☆

پیش لفظ

(حضرت اقدس حضرت مولانا قاری محمد یاسین صاحب مدظلہم العالی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلّما. أما بعد:

زیرِ نظر کتاب ''تدریسِ قرآن کے رہنما اصول'' اس ناکارہ کی کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے اور نہ ہی میں تصنیف وتالیف کے میدان کا کوئی فرد ہوں۔

میرے پیارے عزیز مولانا مفتی حافظ محمد حسین صاحب سلمہ (جن کو میں اب بھی پیار سے یا حسین! کہتا ہوں) نے میرے پاس قرآن پاک حفظ کیا۔ حفظ کے بعد میرے ہی زیرِ نگرانی جامعہ دارالقرآن فیصل آباد میں درجہ سادسہ تک کتب پڑھیں۔ اس کے بعد مشکوٰۃ ودورہ حدیث دارالعلوم کراچی میں کیا۔ تخصص فی الفقہ بنوری ٹاؤن میں کیا۔ اب کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ ماشاء اللہ! ہونہار اور صالح نوجوان ہیں۔

انہوں نے مجھ سے اجازت طلب کی کہ تعلیم وتدریسِ حفظ قرآن پاک کے بارے میں جو ہم نے آپ سے سیکھا ہے یا وقتاً فوقتاً اس موضوع پر بعض مجالس میں آپ سے ہم نے سنا ہے، ان کو جمع کرکے آپ کے سامنے پیش کروں اور افادۂ عام کے لیے اس کو شائع کروں۔

انہوں نے ماشاء اللہ محنت کرکے مختلف جگہ سے مواد جمع کرکے اسے ایک کتاب کی شکل دے دی ہے۔

مجھے تو کبھی خیال بھی نہ آیا کہ میری ان غیر اہم اور غیر مربوط باتوں سے کسی کو تدریسی فائدہ پہنچے گا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ مردہ سے زندہ کو پیدا کر سکتے ہیں تو اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ ان جمع شدہ چند باتوں سے کسی کو فائدہ پہنچا دیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا خصوصی فضل و کرم اور اپنے شیخ و مربی مقرئ اعظم اور حفظ قرآن کی دنیا کے محسن اعظم حضرت مولانا قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کا فیض اور خصوصی دعاؤں، توجہات اور شفقتوں کا ثمر ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ عزیزم موصوف اور ان کے برادر خورد جناب مولانا عمر فاروق صاحب کو... جو ایک بہترین کالم نگار بھی ہیں اور اس کتاب کو ترتیب دینے میں ان کے معاون رہے ہیں... دارین میں اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائیں۔ ان دونوں حضرات کی کاوش کو قبول فرمائیں۔ اس کتاب کو قبولیت عامہ اور نافعیت تامہ نصیب فرمائیں۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

آمین ثم آمین بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم تسليماً كثيرا كثيرا

عرضِ مرتب

حضرت اقدس، حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم سے اللہ تعالیٰ نے جو قرآن کریم کی خدمت لی ہے اور لے رہے ہیں، یہ حضرت پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور احسان ہے۔ ایسی توفیق اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں میں سے مخصوص بندوں کو ہی عطا فرماتے ہیں۔ تقریباً نصف صدی پر محیط آپ کی خدمتِ قرآن کا اثر ہے کہ پاکستان کے تقریباً ہر شہر میں اور بیرون ملک کئی شہروں میں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے براہِ راست شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد قرآن پاک کی تدریس میں مشغول ہیں۔ دنیا کے کونے کونے میں حضرت کی خدمتِ قرآن کا فیض پہنچ رہا ہے۔ اسی بنا پر بہت سے لوگ بجا طور پر حضرت کو ''خادم القرآن'' کے لقب سے پکارتے ہیں۔ اس وقت جو کتاب ''تدریسِ قرآن کے رہنما اصول'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ حضرت کی وہ ہدایات ہیں جو حضرت نے قرآن پاک پڑھانے والے مدرسین کو ارشاد فرمائی ہیں۔

کتاب کو ملاحظہ کرنے والا حضرت اقدس حضرت قاری صاحب کے سوزِ دروں اور اس جذب وکیف کو واضح محسوس کر سکے گا...جس میں ڈوب کر... سچے درد کے ساتھ...آپ نے مدرسین کے لیے ان اصولوں کو بیان فرمایا ہے۔ امید ہے اس میں مذکور حضرت کی ہدایات اور حضرت بڑے قاری صاحب (حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ پانی پتی) کے واقعات ایک اچھے استاد کی اصلاح وتربیت میں نہایت مفید ثابت ہوں گے۔ نیز معلمین کی تربیت کے لیے جو کورس ترتیب دیے جاتے ہیں، ان میں اس کتاب کو شامل کرنا بہت نافع ہوگا۔

یہ ہدایت نامہ اس یقین دہانی کے ساتھ نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے کہ اس کی مکمل ترتیب وتبویب کے بعد حضرت دام ظلہم نے اسے حرف بہ حرف پڑھا۔ ترمیم واضافہ فرمایا۔ نیز اپنے

ایک معتمد سے بھی پڑھوایا۔جس کے بعد مکمل تصحیحات کر لی گئیں۔اس کے بعد آخری نظر ثانی کے طور پر حضرت والا مدظلہ نے مارچ 2012ء میں سفر عمرہ کے دوران حرمین شریفین کی بابرکت فضاؤں میں مسودے کو بالتفصیل ملاحظہ فرمایا۔جس کے نتیجے میں کافی ترمیم واضافہ سامنے آیا۔اس سے اطمینان ہوتا ہے کہ مدرسین کرام کی ضرورت کا کافی مواد اس میں آ گیا ہے۔تاہم اللہ تعالی کے فضل وکرم سے امید ہے اگلی طباعت تک ہم حضرت کے فرمودات پر مشتمل مزید تقریری و تحریری ذخیرے تک رسائی پانے میں کامیاب ہوسکیں گے۔اس حوالے سے حضرت والا دامت برکاتہم کے تلامذہ ومستفیدین سے تعاون کی خصوصی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو صحت وعافیت کے ساتھ اور خدمتِ قرآن کی توفیق کے ساتھ حیاتِ طویل عطا فرمائے اور ہم سب کو حضرت کی زندگی کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔نیز ''اقرأ روضۃ الاطفال'' کے ناظم مفتی خالد محمود صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے عظیم عطا فرمائے،جن کا مشورہ اور تعاون اس کتاب کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب بنا۔آمین، یا رب العالمین!

اس کتاب کو پڑھتے ہوئے اگر آپ کی نظر میں کوئی قابل اصلاح بات آئے یا آپ کے ذہن میں کوئی مفید مشورہ ہوتو ازراہِ کرم ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ یا اضافہ کیا جاسکے۔فقط۔

محمد حسین

یکے از تلامذہ حضرت قاری صاحب

کچھ صاحب کتاب کے بارے میں

(از: مرتب عفا اللہ عنہ)

مختصر سوانحی خاکہ:

حضرت اقدس، حضرت مولانا قاری محمد یاسین صاحب کا تعلق ایسے خاندان سے ہے، جنہوں نے 1947ء میں باقی لاکھوں مہاجرین کے ساتھ اس مملکتِ خداداد کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضرت کے والد محترم جناب حاجی عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ انڈیا کے ضلع کرنال کی ایک بستی شاہ آباد میں رہتے تھے۔ حضرت کی پیدائش، قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل 1946ء کے اوائل میں اپنے آبائی علاقہ ضلع کرنال، بستی شاہ آباد میں ہوئی۔ 1947ء میں جب حضرت قاری صاحب کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال تھی، آپ نے اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کی۔ پاکستان پہنچنے پر پہلا پڑاؤ مظفر گڑھ میں عارضی طور پر ہوا۔ یہاں آکر حضرت قاری صاحب کا باقی خاندان تو خان گڑھ چلا گیا۔ آپ کے والد محترم نے ملتان جانے کو ترجیح دی۔ شہر اولیاء میں پہنچ کر گھنٹہ گھر کے قریب کسی رشتہ دار کے ہاں مقیم ہوئے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد مستقل طور پر محلہ آغا پورہ خونی برج منتقل ہو گئے۔

حضرت کے والد محترم جب پاکستان منتقل ہوئے تو ذریعہ معاش کے طور پر کالونی ٹیکسٹائل مل میں ملازمت اختیار کی۔ یہ مل ملتان سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ کافی عرصہ تک اسی میں کام کیا۔ دیانت وامانت کا یہ حال تھا کہ مل والوں نے مشینری کی خرید و فروخت وغیرہ کا سارا کام ان کے سپرد کر دیا تھا۔

حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے اپنے والد محترم رحمہ اللہ سے متعلق فرمایا:

''والد صاحب جناب حاجی عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ علیہ کو ان کی دیانت و امانت کی وجہ سے کالونی ٹیکسٹائل مل کی دوسری شاخیں جو بھکر اور نوشہرہ میں تھیں، ان کا بھی آرڈر مل گیا۔ جس کی وجہ سے ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی۔ کاروبار کی وسعت کی وجہ سے مالی وسعت وفراوانی بھی بہت ہوئی۔

فرمایا کرتے تھے: ''میں نے اپنے بیٹے کو قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے وقف کیا ہے، یہ اس کی برکات ہیں۔''

تعلیم کا آغاز:

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سے قرآن پاک کی خدمت کا عظیم الشان کام لینا تھا، اس لیے حفظ القرآن کی درس گاہ آپ کی کم سنی کی اچھل کود اور بھاگ دوڑ کا میدان قرار پائی۔ آپ کے دادا جی صبح آپ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر محلّہ قدیر آباد کی ایک مسجد میں لے جاتے۔ وہاں مسجد کے پیش امام میاں عبدالرحمٰنؒ نے حفظ کی درسگاہ لگائی ہوئی تھی۔ وہیں مسجد میں لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے اور بچگانہ شرارتیں کرتے۔ شام کو جب دادا جی واپس آتے تو آپ کو بھی لے آتے۔ اس طرح گویا آپ نے ہوش ہی درسگاہ میں سنبھالا۔ 8 سال کے ہوئے تو والد صاحب نے محلے کے ایک سکول میں داخل کرا دیا۔ اب آپ صبح کے وقت سکول کی تعلیم حاصل کرتے۔ شام کو اپنے محلے کی مسجد جو ''مینار والی مسجد'' کے نام سے معروف تھی، وہاں جاتے اور ناظرہ قرآن پاک پڑھتے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان کے استادِ حفظ، حافظ عبدالرحیم صاحب پیش امام تھے۔ آپ حافظ صاحب کے پاس پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کے حکم سے ہر روز مسجد کی صفائی بھی کرتے۔ حافظ صاحب کا معمول تھا عصر کے وقت اپنی درس گاہ خیر المدارس سے مسجد میں منتقل کر لیتے اور عشا تک وہیں پڑھائی ہوتی تھی۔ یوں حضرت قاری صاحب مدظلہم العالی نے پرائمری کے ساتھ ساتھ ناظرہ قرآن مکمل کر لیا۔

مدرسے میں باقاعدہ داخلہ:

حافظ عبدالرحیم صاحب نے آپ کے والد صاحب پر زور دیا کہ بچے کو حفظ کروائیں۔ ان

کے اصرار پر آپ کے والد ماجد نے آپ کو جامعہ خیر المدارس میں حفظ کے لیے داخل کروا دیا۔ داخلہ کروانے اور دینے والوں کا اخلاص کہ اس کے بعد پھر اسی تعلیم و تعلم کے ہو رہے۔ زندگی بھر علمِ دین سے منہ موڑنے کی نوبت آئی اور نہ ہی مادرِ علمی کو چھوڑا۔ آپ کے لیے قاری محمد دین رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ کا انتخاب ہوا۔ آپ نے خدا کا نام لے کر کلام الٰہی کو لوحِ قلب پر منتقل کرنا شروع کیا اور تین سال میں مکمل کر لیا۔ تکمیل کے موقع پر ایک پر وقار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر اس زمانے کے نوجوان خطیب قاری حنیف ملتانیؒ کو مدعو کیا گیا تھا۔ خاندان کے سارے افراد نے اس خوشی میں شرکت کی اور ڈھیروں دعاؤں اور مبارکباد سے نوازا۔

حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز مندی:

حفظ قرآن کی تکمیل ہوتے ہی والد صاحب نے دوبارہ سکول میں داخل کروا دیا۔ چھٹی جماعت کی کتابیں بھی خرید لی گئیں، مگر پھر ایک واقعہ پیش آیا اور آپ ہمیشہ کے لیے دینی علوم سے منسلک ہو گئے۔

آپ کے خاندان کے ایک بزرگ حاجی عبدالحمید نے راہ چلتے والد صاحب سے بچے کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے اپنے فیصلے کے بارے میں آگاہ کیا۔ حاجی صاحب نے نہایت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ بغیر ''گردان'' کے قرآن پاک بھولنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی پیشکش کی کہ میں خود اپنی معرفت سے ان کو حضرت قاری رحیم بخش صاحب کے پاس داخلہ دلوا دوں گا۔ حاجی صاحب، حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نیاز مندوں میں سے تھے۔ آپ کے والد محترم، حاجی عبدالحمید کی رائے سے متفق ہو گئے۔

اگلے ہی دن حاجی صاحب آپ کو لے کر حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ داخلے کی درخواست کی، مگر حضرت نے انکار کر دیا اور عذر پیش کیا کہ داخلے کی مقدار پوری ہو چکی ہے۔ مزید گنجائش نہیں۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ملک گیر شہرت اور بلند تر معیار کے باعث لوگ رجب میں ہی داخلے کی درخواستیں جمع کرا دیتے۔ شعبان میں قرعہ اندازی کی

جاتی۔ جن کا نام نکل آتا، انہیں داخلہ مل جاتا۔ عیدالفطر کے بعد بلا تاخیر، پرسکون اور بھرپور انداز میں پڑھائی شروع ہو جاتی۔

حاجی صاحب جب حضرت قاری صاحب مدظلہم کو لے کر پہنچے تو حضرت والا کے ضابطے کے مطابق اب کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے انہوں نے اس نئے داخلے سے معذرت کر لی، تاہم حاجی عبدالحمید نے لجاجت کے ساتھ اصرار کیا۔ ان کے دیرینہ تعلقات اور منت سماجت کے پیش نظر داخلہ قبول فرما لیا، مگر ایک شرط عائد کر دی۔

فرمایا کہ 'محمد یاسین' کا داخلہ اس شرط کے ساتھ منظور ہے کہ گردان کے بعد اسے مکمل عالم بنایا جائے۔ حاجی صاحب نے ہامی بھر لی۔ اس طرح آپ ایک ایسے جوہری کے پاس پہنچ گئے جو لعل و جواہر کی تراش خراش کے فن نازک سے خوب واقف تھا۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیت کی بدولت دو مہینے سے بھی کم عرصے میں بیس سے زیادہ پارے نکال لیے اور یوں بقرعید سے پہلے ہی گردان مکمل ہو جانے کی توقع تھی، مگر پارہ 23 پر آپ کا سبق رکوا دیا گیا، کیونکہ حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تکمیل گردان کی کم از کم مدت بقرعید تھی۔ عیدالاضحیٰ کے فوری بعد آپ نے گردان مکمل کر لی۔ اس کے بعد رمضان تک ہر روز صبح سے شام تک 15 یا 20 پارے حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھ کر سناتے۔ اس طرح سات، آٹھ ماہ میں آپ نے سیکڑوں بار گردان نکالی۔ اس غیر معمولی محنت اور دہرائی کی برکت ہے کہ آج پیرانہ سالی میں بھی اس قدر پختگی ہے، جس کی مثال نہیں ملتی۔

درس نظامی:

مجدد وقت حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ سے گردان مکمل کرنے کے بعد آپ نے شرط کے مطابق خیر المدارس میں ہی درس نظامی کا آغاز کر دیا۔ اس دوران بھی آپ نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اساتذہ کرام کے منظورِ نظر رہے۔ 1970ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت پائی۔ آپ کے مشہور اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1- حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ

2- حضرت علامہ محمد شریف صاحب کشمیری رحمہ اللہ

3- حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی

4- شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ

5- حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمۃ اللہ علیہ

6- حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب

7- شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق مدظلہ العالی

تدریس سے ''اہتمام'' تک:

آپ نے طالب علمی کا پورا زمانہ اپنے استاد حضرت قاری رحیم بخش رحمہ اللہ کے مشورے سے گزارا تھا۔ اس لیے فراغت کے بعد بھی اپنے تمام تر رجحانات اور دلچسپیاں اپنے محسن و مربی کی جھولی میں ڈال دیں۔ استاد محترم نے اس موقع پر وہ فیصلہ صادر فرمایا جو بظاہر توقع کے خلاف تھا۔

آپ کو عالم دین ہونے کے باوجود حفظ القرآن کی تدریس کا مشورہ دیا۔ آپ نے اسے بسر و چشم قبول کیا۔ رحیم یار خان کے لیے تشکیل ہوئی۔ وہاں ایک مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔ ڈیڑھ سال تک تدریس کرنے کے بعد کچھ اعذار کی بنا پر حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی مشاورت سے رحیم یار خان کو خیر باد کہہ دیا۔ دوبارہ استاد محترم کے حکم سے فیصل آباد میں مدرسہ ''ام المدارس'' میں پڑھانا شروع کیا۔ سوا سال تک یہاں تدریس کرنے کے بعد کچھ معزز اشخاص کی درخواست و اصرار پر ماڈل ٹاؤن میں واقع باغ والی مسجد ماڈل ٹاؤن سی میں بحیثیت مدرس آپ کی تشکیل ہوئی۔

1973ء میں اسی مسجد میں مدرسہ ضیاء القرآن کی بنیاد رکھی۔ اس دوران آپ کو اپنے اساتذہ کی مکمل و مسلسل سرپرستی حاصل رہی۔ حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ تاحیات، بنفس نفیس تشریف لاتے رہے۔

1990ء میں جامعہ دارالقرآن مسلم ٹاؤن کے قیام کے بعد شہر، اندرون و بیرون ملک

(ملائشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ میں) کئی شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں وہ مدارس اس کے علاوہ ہیں، جن کی سرپرستی حضرت قاری صاحب فرمارہے ہیں یا آپ کے شاگردوں نے قائم کیے ہیں۔

پاکستان کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں حضرت کے شاگرد موجود نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے لگائے ہوئے اس گلشن کو آباد و شاداب رکھے اور اس کے پھولوں کے علمی رنگ و بو سے پورا جہاں سدا مہکتا رہے۔ آمین۔

حضرت کی زندگی کے کچھ گوشے نہایت اختصار کے ساتھ واضح کرنے کے بعد آپ کے ''آئینہ کردار'' کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

اتباعِ سنت:

ایک بہت خاص بات جو علمائے دیوبند کی زندگیوں کا خاصہ ہے، وہ ہے اتباعِ سنت کا اہتمام۔ حضرت اقدس حضرت قاری صاحب کی زندگی میں یہ خوبی بہت نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ ہمیشہ ہر کام میں اتباعِ سنت کا اہتمام فرماتے اور یہی سبق حضرت اپنے شاگردوں کو بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ صاف ستھرا سنت کے مطابق لباس، مسنون وضع قطع، حضرت اور ان کے شاگردوں کا نمایاں وصف ہے۔

35 سالہ مشاہدہ:

کراچی سے آپ کے ایک بہت قدیم شاگرد☆ جو ایک بہترین ادارے کے سربراہ بھی ہیں...... نے اپنا مشاہدہ کچھ یوں بیان کیا:

''حضرت قاری صاحب مدظلہم سے بندہ کی نیازمندی کا سلسلہ 35 سال سے قائم ہے۔ ان پینتیس برسوں میں ایک بار بھی میں نے حضرت کو نماز میں مسبوق نہیں پایا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کی تہجد قضا یا تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی ہو۔''

☆ قاری احسان الحق مدظلہ، مدرسہ روضۃ القرآن، کراچی

اس قسم کا کارنامہ مسنون اعتکاف میں کر دکھانا آسان ہے۔ اگرچہ آج کا نوجوان اس میں بھی اکثر ناکام رہتا ہے۔ مگر اس پرفتن دور میں زندگی بھر ان چیزوں کا اہتمام حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تقلید بھی ہے۔

خدمتِ قرآن سے عشق:

آپ کو قرآن پاک سے کس قدر لگاؤ ہے؟ شاید اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے ہمیشہ قرآن پاک کی خدمت کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا ہے۔ تلاوت سے زبان تر رکھنا آپ کی خصوصی عادت ہے۔ ہر ایک دیکھتا ہے کہ آپ کوئی ضروری گفتگو فرما رہے ہوتے ہیں یا پھر قرآن پاک کی تلاوت۔ اس طرح آپ ایک دن میں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ تلاوت کر لیتے ہیں۔ صبح کی سیر کے دوران 7، 8 پارے تلاوت فرما لیتے ہیں۔ آپ کے توسّط سے یہی وصف آپ کی اولاد میں بھی پایا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ، معانی اور عملی سیرت کے طور پر اشاعت میں آپ نے اپنی استطاعت کی حد تک کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آپ کی اسی فکر کا شاخسانہ ہے کہ آپ فضلائے درس نظامی کے لیے شعبہ تحفیظ القرآن سے منسلک ہونے کو پسند فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک طرف حفظ کا ایسا مدرس ہو جو قرآن و حدیث کی مفصل تعلیمات سے نا آشنا ہو، جبکہ دوسرا ان سے بہرہ ور ہو، ان دونوں کی تدریس، بچوں کی تربیت اور اصلاح احوال میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔

بانی جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ آپ سے فرمایا کہ آپ اپنے ہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے قرائے کرام میں سے کچھ مدرسین ہمیں دیں۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے شکوہ فرمایا کہ ''حضرت! میرے پاس سے جتنے طلبہ بھی آپ کے ہاں درس نظامی کی تعلیم کے لیے آتے ہیں، آپ انہیں شعبہ کتب کی تدریس کے لیے ترغیب دیتے ہیں، جبکہ ان میں سے کوئی بھی شعبہ حفظ کی تدریس کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اسے ایک ہلکا کام سمجھا جاتا ہے۔'' اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسباق میں اس خیال کی تردید اور علما کو شعبہ حفظ اختیار کرنے

کی ترغیب دینا شروع کی۔ چنانچہ اس سال علما کی ایک کھیپ شعبہ حفظ کی تدریس کے لیے میسر آئی۔

تصوف وسلوک:

باخدا لوگ اپنی اصلاح نفس سے غافل نہیں رہتے۔ وہ بلند مقامات طے کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو دشمن اصلی سے مامون نہیں سمجھتے۔ حضرت قاری صاحب نے انہی مقاصد کے پیش نظر اپنا ہاتھ وقت کے ایک ایسے مصلح اعظم کے ہاتھ میں دے دیا، جو مجمع البحرین تھے۔ صاحب علم وتقویٰ مفتی اعظم مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ سے آپ نے پہلے بیعت فرمائی ۔ آپ رحمہ اللہ نے حضرت قاری صاحب مدظلہم کو خلافت سے نوازا۔ حضرت مفتی صاحب قُدّس سرُّہ کے رحلت فرما جانے کے بعد آپ نے حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ آپ کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی خلافت سے نوازا۔ آپ اصلاح وارشاد، تدریس اور انتظام واہتمام کے ذریعے سے خلق خدا کی نفع رسانی سے بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔ أدام الله ظلالهم سرمداً.

سادہ زندگی:

ایک بات جو حضرت کی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور بہت اہم ہے، وہ ہے آپ کا سادہ طرز زندگی۔ خوراک، پوشاک اور رہائش سب کچھ اسی وصف کا آئینہ دار ہے۔ ہر طرح کے تکلفات سے آپ کوسوں دور ہیں۔ 1973ء سے مدرسے کے مہتمم ہوئے، مگر آج تک کوئی دارالاہتمام نہیں بنایا۔ آج بھی اپنی درسگاہ میں بیٹھے سارے کام نمٹاتے نظر آتے ہیں۔ دو بڑے مدارس، ملک وبیرون ملک 12 سے زائد شاخیں، ان سب کے متنوع شعبے اور خرید و فروخت سے لے کر حساب کتاب تک تمام شعبوں کی نگرانی حضرت کی ذات والا صفات سے متعلق ہیں۔

ان سب ذمہ داریوں کے باوجود اپنی ذاتی درسگاہ پھر بھی برقرار ہے۔ خدمت قرآن سے اس قدر عشق کی مثال شاید کہیں نہ مل سکے۔ یا سبحان اللہ! یہ قلندرانہ انداز زندگی، گرد آلود

کتابوں سے سوا کہیں خال خال ہی ملے گا۔

درس گاہ کی پابندی:

حضرت والا دامت برکاتہم کے ابتدائی زمانے☆ کے ایک شاگرد کی روایت کے مطابق 88ء تا 90ء تین سال کے دوران... ناگزیر اسفار کے علاوہ... درس گاہ سے کوئی ناغہ دیکھنے میں نہ آیا۔ ایک دفعہ سخت بیماری کے باعث حاضری مشکل ہوگئی تو کچھ وقت کے لیے تشریف لائے، پھر آرام کیا۔ آج ذمہ داریوں کی کثرت اور بڑھاپے کی مشکلات کے باوجود آپ کے معمولات بحمد اللہ حسب سابق ہیں۔

خاموش طبعی:

خاموشی کے ساتھ خدمت قرآن آپ کا مقصد حیات ہے۔ طبعی طور پر حضرت کم گو ہیں۔ ضرورت کی بات مختصر الفاظ میں کرتے ہیں۔ بے مقصد اور لایعنی گفتگو حضرت سے کبھی کسی نے نہیں سنی۔

شان تواضع:

آپ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو ''چھپنے'' کو نہیں ''چھپنے'' کو پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے عظیم ترین کارناموں اور ملک گیر فیضان کے باوجود آپ نے کبھی اپنی خدمات کا ڈھنڈورا پیٹا نہ ہی اس بابت کسی طرح کی نشر و اشاعت کی اجازت دی۔ بہت بار کچھ عقیدت مندوں نے آپ کے حوالے سے کچھ لکھنے یا چھاپنے کی کوشش کی، مگر اجازت نہ ملی۔ قارئین کے سامنے لائے گئے یہ چند گوشے تگ و دو کا ایک طویل پس منظر رکھتے ہیں۔

صفائیِ معاملات:

آپ نے اپنے تدریسی مشاغل میں ذرا فرق لائے بغیر دین کی خدمت گار دیگر جماعتوں سے بھرپور تعاون فرمایا اور سب کو برابر درجے کی شفقت سے نوازا ہے۔

اس قدر وسیع پیمانے پر خدمات کے دوران اپنے ہم عصروں سے کچھ رنجشیں اور شکایات

☆ برادر گرامی مولانا مفتی محمد ابراہیم مدظلہ

سامنے آ ہی جاتی ہیں، مگر حضرت قاری صاحب مدظلہم کی کمال دانشمندی اور نصرت خداوندی کہ کسی مخالف کی جانب سے کوئی معقول الزام کبھی سامنے نہیں آیا۔ اس چیز کو بہت سے حضرات نے محسوس کیا کہ حضرت نے غصے یا معمول کی حالت میں کسی عالم دین، حریف یا مخالف پر تنقید نہیں کی۔ نظم ونسق، پابندیِ اوقات، ادارہ جاتی لین دین اور آمدن وخرچ وغیرہ کے حوالے سے کوئی جھول نہ دیکھا گیا۔ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ [المطففین 26:] (لوگوں کو اس چیز کی ہی رغبت کرنی چاہیے)

گھریلو زندگی:

اب تک آپ کے بچپن سے جوانی اور پھر بڑھاپے تک، شاگردی سے مدرّسی اور مہتمم ہونے تک کے جو مناظر نقل کیے گئے، وہ آپ کی عمومی زندگی کو واضح کرتے ہیں۔ راقم نے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے گھریلو معاملات کے حوالے سے آپ کے ایک خادم اور نہایت قدیم شاگرد...... جو اس وقت جید مفتی ہونے کے علاوہ ایک جامعہ کے مہتمم ہیں☆ ...... سے معلوم کرنا چاہا تو ان کے تاثرات کچھ اس طرح تھے:

''ہمیں بچپن میں کئی سال حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے گھر میں خدمت کا موقع ملا۔ حضرت کے خوانگی معاملات ہماری نظروں سے گزرتے رہے۔ ہم نے خادم سے لے کر بیٹوں اور بیٹی سے بیوی تک، نیز ہمسایوں، ملاقاتیوں، رشتہ داروں، قرض خواہوں، ضرورت مندوں، مخالفین، جھگڑا کرنے والوں، ہدیہ دینے یا تعریف کرنے والوں کے ساتھ ہونے والے سارے معاملات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مگر کسی بھی حوالے سے ان کو خلاف شریعت نہ پایا۔ آپ کے گھریلو معاملات بھی سنت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے نظر آئے۔''

اکابر کی زیارت وملاقات کے حریص:

مروجہ جلسوں کے برعکس آپ کے اسٹیج پر ہمیشہ ملک کے چنیدہ صلحا ہی جلوہ افروز نظر آئے۔ آپ بزرگوں کی برکات سمیٹنے کے حریص نظر آتے ہیں۔ بہت بار ایسا ہوا کہ آپ کسی

☆ مولانا مفتی محمد یونس چیمہ مدظلہ، استاذ الحدیث: جامعہ دار القرآن، فیصل آباد

ایسی شخصیت کو برآمد کر لائے جو اپنی ذات میں آفتاب و ماہتاب تھے، مگر خلوص وللہیت کے باعث گوشہ نشین تھے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کی درخواست پر وہ تشریف لائے اور لوگ حیران ہوئے کہ اگر حضرت انہیں منظر عام پر نہ لاتے تو ہمیں ہرگز پتہ ہی نہ چلتا اور ایسی ہستیوں کا زمانہ پا کر بھی ہم ان کی زیارت کی سعادت سے محروم رہ جاتے۔

یہی وجہ ہے سال بھر کے دوران جب بھی کسی اللہ والے کی فیصل آباد آمد کا سنتے ہیں تو حاضری کی درخواست لیے خود ان کی خدمت میں جا پہنچتے ہیں۔ چنانچہ طلبا اور اساتذہ نے بے شمار علمی و عملی شخصیات کی زیارت جامعہ دار القرآن کے آنگن میں کی۔

اس سلسلے میں حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کا ایک معروف اور قابل تقلید اصول یہ ہے:

''اپنی سعادتمندی کا نہیں، بزرگوں کی راحت کا خیال کرنا چاہیے۔''

آپ اس چیز کے سخت خلاف ہیں کہ فرط جذبات میں بزرگوں کو مشقت میں ڈالا جائے۔ آپ کا فرمان ہے کہ ہماری سعادت، برکت اور دعا کا حصول اسی بات میں پنہاں ہے کہ اکابر کی راحت کا خیال رکھا جائے۔ ممکن ہے آپ ان کو تکلیف پہنچا کر اپنے ہاں دعوت تو دے لیں، مگر ان کی ایذا کے باعث کچھ مزید حاصل کرنے کے بجائے وہ بھی کھو بیٹھیں جو آپ کے پاس پہلے سے ہے۔

مدرسین کا تربیتی اجتماع:

یہ دنیا بھر کی ایک انوکھی مثال ہے۔ یہ دستور ہے کہ طلبا اپنے اساتذہ اور اکابر کی دعوت کیا کرتے ہیں۔ ان کی خدمت، سعادت مندی سے بجا لاتے ہیں۔ مگر یہاں معاملہ بالکل الٹ ہے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم پاکستان بھر میں تدریس کرنے والے اپنے شاگردوں کو ہر سال بلا ناغہ اپنے ہاں مدعو کرتے ہیں۔ تین دن تک ان کے ساتھ نشست فرماتے اور ان کی ہر ممکن 'خدمت' کی سعی فرماتے ہیں۔

ایک عظیم باپ اور اس کے اطاعت شعار بیٹوں کا یہ محبتوں بھرا اجتماع کئی دوررس مقاصد کا

حاصل ہوتا ہے:

☆...... مدرسین کو حضرت بڑے قاری صاحب دامت برکاتہم کے علاوہ اپنے دیگر اساتذہ سے ملاقات کا موقع ملتا ہے۔ بہت سے حضرات ملک کے دور دراز علاقوں سے تشریف لاتے ہیں۔ نیز اپنی مادر علمی کی قدم بوسی سے مشام جاں کو معطر اور انفاس کو تازہ کر سکتے ہیں۔

☆...... مدرسین اپنے پرانے دوستوں سے ملاقات، تبادلہ خیالات اور اپنے گلے شکوے دور کر سکتے ہیں۔ تمام ساتھی تجدید ملاقات پر مشترکہ منصوبوں پر غور کر سکتے ہیں۔ اپنے مسائل کا تذکرہ کرتے اور حل تلاش کرتے ہیں۔

☆...... وہ اپنی تدریسی مشکلات، تعلیمی الجھنوں اور نجی معاملات کا حضرت اقدس حضرت قاری صاحب مدظلہم سے ذکر کرتے اور اس کا کامیاب حل پاتے ہیں۔

☆...... اس دوران مختلف نشستوں میں ملک بھر سے اکابر علمائے کرام، تجربہ کار شخصیات اور خانقاہی حضرات، مدرسین سے خطاب فرماتے ہیں۔ اس سے شرکائے اجتماع اپنی علمی، عملی اور اصلاحی کوتاہیوں کا ازالہ بخوبی کر سکتے ہیں۔

☆...... تین روزہ یہ اجتماع جامعہ دارالقرآن کی سالانہ تقریب سے متصل پہلے ہوتا ہے۔ اجتماع کے ختم ہوتے ہی تقریب کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جامعہ کی تقریب کشت زعفران کا نمونہ ہوتی ہے۔ اس میں تمام چوٹی کے علما و صلحا کی صحبت اور ان کے ملفوظات سے فیض یاب ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔ مدرسین کو اس مختصر وقت میں ایسی شخصیات کی زیارت سے استفادے کا موقع ملتا ہے جو انہیں شاید ہزاروں روپے اور دنوں کی مشقت سے بھی نہ مل پائے۔ اس کے علاوہ تقریب سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

☆...... مرکز میں موجود انتظامیہ کے نظم و نسق اور اساتذہ و طلبہ کی محنت شاقہ کے مظاہر سامنے آتے ہیں۔ حفظ، تجوید و قراءت، دورۂ حدیث اور تخصص فی الافتاء سے فارغ التحصیل ہونے والوں کے مناظر کو دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ جامعہ کی اس تقریب سے متصل جامعہ کی دیگر شاخوں کی تقریبات اور ان سے حاصل ہونے والا تربیتی و علمی سرمایہ اس کے علاوہ ہے۔

☆...... یہ تمام فوائد و منافع اپنے شاگردوں کو دلانے کے لیے انتظام، خرچ اور ذہنی کاوش کے جاں گسل مراحل سے گزرنا، حضرت قاری صاحب مدظلہم کی اپنے تلامذہ سے والہانہ محبت کا واضح ترین ثبوت ہے۔

☆☆☆

پہلا باب

تمہیدی گزارشات؛
ایک مثالی مدرس قرآن

فضائل، ذمہ داریاں، وصیتیں

برادری کا ایک فرد:

سطور کی اس نشست میں بنیادی طور پر ہمارے مخاطب حضرات قرّا و مدرسین ہیں۔ کچھ عرض کرنے سے قبل یہ واضح کرتا چلوں کہ میں آپ ہی کی برادری کا ایک فرد ہوں۔ ایک ادنیٰ سا پڑھانے والا آپ ہی کا ساتھی ہوں۔ آپ اساتذہ کرام ہیں، قاری صاحبان ہیں یا قرآن پاک کے کسی اور حوالے سے خدام..... اسی طرح میں بھی آپ ہی کی برادری کا ایک رُکن ہوں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میں کوئی صاحب طرز ادیب ہوں نہ ہی اسلوب تقریر سے آشنا خطیب۔ مجھے عام طور پر بیان کرنے کی بھی عادت نہیں۔ یہی وجہ ہے میں نے کبھی کسی مسجد میں جمعہ بھی نہیں پڑھایا۔ بس ایک کونے میں بیٹھ کر، خالصتاً قرآن پاک کا ایک ادنیٰ مدرس بن کر کام کیا۔ لہٰذا میری باتوں کو کسی ایسے زاویے سے نہ تولیے کہ یہ کوئی صاحب فن مصنف یا ادیب ہوں گے۔ اچھے الفاظ اور عمدہ تراکیب کا انتخاب کرتے ہوئے ہمیں بات سمجھائیں گے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بس اللہ پاک دل میں جو بات ڈال دیں گے، جن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بات کروانا چاہیں گے، یہ اسی کی طرف سے ہوگا۔ آپ سے بس اتنی درخواست ہے آپ یہ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہ باتیں ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمادیں جو میرے لیے بھی نافع ہوں اور سب پڑھنے والوں کے لیے بھی کار آمد ثابت ہوں۔ ان گزارشات کا مقصد کسی پر اعتراض کرنا ہرگز نہیں۔ کسی کو تنقید کا نشانہ بنانا بھی پیش نظر نہیں۔ صرف ان کمزوریوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے اندر پائی جاتی ہیں۔ ان معروضات کا اولین مخاطب خود کو سمجھتا ہوں۔ اس کے نتیجے میں ہم سب کو یہ کوتاہیاں دور کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو بہت بڑی بات ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا میں بھی آپ کی برادری کا آدمی ہوں۔ میرے پاس الحمدللہ

150 سے زیادہ اساتذہ کرام مدرسے میں کام کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ سیکڑوں مدارس ہیں، جن کی سرپرستی بھی میرے ذمے ہے۔ان کی دیکھ بھال کے علاوہ، وہاں خدمت کرنے والے ہمارے ہاں سے گئے ہوئے اساتذہ کرام کی کچھ شکایات یا ان کی کمزوریاں سامنے آتی رہتی ہیں۔ان کے ازالے کی تدابیر کے لیے منتظمین میرے پاس آتے ہیں۔اسی کے پیشِ نظر جو کچھ دیکھا، سنا یا یا کہنے کو موقع ملا، اس کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

برگزیدہ جماعت:

قرائے کرام سے مخاطب ہوتے وقت مجھے یقین ہے میں ایک برگزیدہ جماعت کا ہم نشین ہوں۔اس لیے کہ اس کی شہادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔حدیث پاک میں ہے:

''قال رسولُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم:اِن للّٰہ أھلِین مِنَ النّاسِ .قالوا:یارسولَ اللّٰہِ،مَن ھُم؟ قال:ھُم أھلُ القرآنِ،أھلُ اللّٰہِ و خاصّتُہٗ.''
(سنن ابن ماجۃ:۱۹،قدیمی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے خاص بندے ہیں۔'' یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:''یا رسول اللہ! یہ کون (خوش نصیب ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے یہ میرے خاص لوگ) ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:''یہ اللہ والے اور اللہ کے خاص بندے قرآن والے ہیں۔''

کیوں؟ اس لیے کہ صبح سے لے کر شام اور شام سے صبح تک قرآن پاک ہی ان کی سوچ اور فکر کا محور ہے۔ان کی محنت کا میدان بس اللہ کا قرآن ہے۔دوسرے الفاظ میں ان کا اوڑھنا، بچھونا واحد چیز قرآن پاک ہوتا ہے۔اللہ پاک کے اتنے قریبی لوگ یقیناً بہت اونچے لوگ ہیں۔یہ اپنی خوش قسمتی پر جتنا فخر کریں، کم ہے۔

دوسری حدیث پاک میں ہے:

''خَیرُکُم (وفی روایۃٍ) أفضَلُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآنَ وعَلَّمَہٗ.'' (سنن ابن

ماجة:19، قديمی)

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کا مشغلہ قرآن پاک کو سیکھنا اور سکھانا ہے۔''

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مَنْ شَغَلَهُ الْقُرآنُ عن ذِكرِي ومَسألَتِي، اَعْطَيْتُهُ أفضَلَ ما اُعْطِي السّائِلِين.''

(سنن ترمذی:184/4)

''جو قرآن پاک کی خدمت میں اس طرح مشغول ہے کہ اسے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے مانگنے کا موقع بھی نصیب نہیں ہوتا، تو میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔''

نیز اسی حدیث میں مزید فرمایا:

''وفَضْلُ كَلامِ اللّٰهِ عَلى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلى خَلْقِه.''

(سنن ترمذی184/4)

قرآن پاک کی فضیلت دیگر کلاموں پر ایسے ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔''

یعنی ایک طرف وہ ہے جو ایک کونے میں ہاتھ پھیلا کر بیٹھا دعا مانگ رہا ہے اور دوسرا شخص 40،50 بچوں کو لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں ان پر صرف کر رہا ہے، تو اللہ کے نزدیک ان دونوں کے اجر میں نمایاں فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے جب ان جیسی احادیث پر نظر جاتی ہے جو حفاظ اور خدمتِ قرآن سے منسلک ہونے والوں کے لیے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ کو سب سے زیادہ پیار ہی قرآن پاک والوں کے ساتھ ہے۔

چوتھی حدیث پاک ہے:

''أشْرَافُ أمّتِي حَمَلَةُ القُرآنِ، وأصحَابُ اللَّيْلِ.'' (الترغيب والترهيب: 243/1، دارالكتب العلمية، بيروت)

''کہ میری امت کے معزز لوگ، میرے امت کے شرفا، یہ حاملین قرآن ہیں (جو اپنے سینوں میں اللہ کی مقدس امانت اٹھائے ہوئے ہیں) اور وہ لوگ جو رات کو اٹھ کر عبادت کرنے

والے (تہجد گزار) ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں کا یقین نصیب فرمائے۔ آمین۔

ولایت کا مختصر ترین راستہ:

ایک حدیث پاک اللہ تک پہنچنے کا، اللہ کے قرب کا، سب سے مضبوط ذریعہ قرآن پاک قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

"اِنَّكُم لَاتَرجِعُونَ اِلَى اللّٰهِ بِشَيءٍ أَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ يعنى الْقُرآنَ." (الترغيب والترهيب:230/2، دار الكتب العلمية)

"تم لوگ اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کرسکتے جو خود حق تعالیٰ سبحانہٗ سے نکلی ہے، یعنی کلام پاک۔"

اس کی ذرا وضاحت یہ ہے کہ خانقاہی سلسلے کی منزلِ مراد اللہ کے قرب کا حصول ہے۔ شیوخ اس مقصد کے لیے مریدین کو ان کی طبیعت، حالات اور ضرورت کے مطابق مختلف اذکار تلقین فرماتے ہیں۔ اسے "سُلوک بِالذکر" کہتے ہیں۔ یہ ذکر کے ذریعے سلوک و تصوف کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر ان قرآن والوں کو اللہ تعالیٰ شانہ "سلوک بالقرآن" نصیب فرماتے ہیں۔ قرآن پاک پڑھنے، پڑھانے اور اس کے لیے انتظام کی فکر کرتے کے ذریعے سے اپنے قرب کی منزلیں طے کروا دیتے ہیں۔

ہمارے حضرت، مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک بڑے بزرگ مجھ سے فرمانے لگے:

"یہ وہ شخصیت ہے، جس نے اپنے آپ کو بچوں کے اندر چھپا رکھا ہے۔ اسے وقت کا قطب، غوث، ابدال یا کوئی بھی نام دے دو۔ روحانی لحاظ سے یہ بہت اونچی سطح پر ہیں۔ پیری، مریدی کے معروف طریق کار سے ہٹ کر یہ ہر وقت ایک عام درس گاہ میں، عام بچوں کے درمیان بیٹھا ہے۔ مگر یہ ہر لمحہ ولایت کی بلند سے بلند منازل طے کر رہا ہے۔ لیکن بچوں کے اندر اس کے گھرا ہونے کی وجہ سے کسی کا خیال بھی اس طرف نہیں جاتا کہ یہ کتنے اونچے مقام پر ہے۔"

اس کی مضبوط تائید ایک دوسرے واقعے سے ہوتی ہے۔ حضرت قاری صاحب کا ابتدا میں اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب آپ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوئے اور اپنے لیے کسی مخصوص ذکر تلقین کرنے کی درخواست کی۔ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''آپ کے لیے کسی خاص ذکر کی ضرورت نہیں۔ آپ سب سے بہترین ذکر میں صبح سے شام تک مصروف ہیں۔ صرف یہ نیت کرلیا کریں کہ ''اے اللہ! آپ کی رضا کے لیے بیٹھا ہوں....پھر اس کا مسلسل استحضار بھی رکھیں۔ بس یہی آپ کے لیے کافی ہے۔''

یہاں یہ بھی واضح رہے مدارس کے منتظمین حضرات کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ ہم تو ناظم ہیں۔ ہمارے متعلق تو اس میں کوئی بات نہیں۔ مگر آپ کا واسطہ بھی ایک ذمہ دار کی حیثیت سے صبح وشام مدرسین اور طلبہ کے ساتھ ہے۔ آپ بھی بالواسطہ طور پر قرآن پاک ہی کے خدام ہیں۔ آپ کی محنت وکوشش نے کتنے ہی خدام قرآن کو فکرِ معاش سے آزاد کیا ہوا ہے۔ لہٰذا آپ بھی ان بشارتوں کے مستحق ہیں۔

طالب علم ایک امانت:

البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ آپ کا طالب علم اپنے تمام تر احوال کے ساتھ آپ کے پاس امانت ہے۔ اس کی تعلیم سے لے کر تربیت اور تکمیل تک کی ساری ذمہ داری استاد ہی کے کاندھوں پر ہے۔ اگر معلم کی کسی کمی، کوتاہی، ناجائز مار پیٹ یا ناشائستہ حرکت کی وجہ سے کوئی طالب علم تعلیم ادھوری چھوڑ کر چلا گیا تو اس کی حفظِ قرآن یا خدانخواستہ دین سے محرومی استاد کے سوا کس کے نامہ اعمال میں لکھی جائے گی؟ ایسے بچے کی تعلیم سے محرومی اپنی جگہ پر لیکن اس کے سرپرست کا دینی مدارس، مذہبی علوم اور تعلیم دینے والوں کے بارے میں جو ذہن بن جائے گا، اس نقصان کا ازالہ ممکن نہیں۔ یہ آدمی اپنی تکلیف کا دوسروں کے سامنے اظہار کرتے ہوئے ہر شخص کو بتاتا پھرے گا۔ اس طرح وہ صرف کسی ایک استاد کی ادنیٰ غلطی کی وجہ

سے پورے دین دار طبقے کو بدنام کرے گا۔

یہ تو آپ کے سامنے ہے کہ آج اس دور میں مسلمانوں کا جو رجوع مدارس کی طرف ہوا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ اتنی بڑی تعداد میں کبھی طلبہ دینی مدارس میں نہیں آئے تھے۔ پھر جو ایک خاص طبقے کے لوگ پہلے مدارس میں آتے تھے، اب وہ بات بھی نہیں ہے۔ اچھے اچھے بڑے گھرانوں اور ہر طبقہ فکر کے لوگ ....خواہ وہ کالج، یونیورسٹی میں بڑے سے بڑا پروفیسر ہے یا وہ بڑے سے بڑا ڈاکٹر یا وکیل ہے، پولیس انسپکٹر ہے یا کوئی جج وغیرہ یعنی جو بھی طبقہ معزز سمجھا جاتا ہے...... ہمارے زمانے میں ان تمام طبقوں کے بچے دینی مدارس میں آرہے ہیں اور کثیر تعداد میں آرہے ہیں۔

اس کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں: ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ تبلیغی کام آج بڑی وسعت اور شدومد کے ساتھ ہورہا ہے۔ اس کے اثرات عوام الناس میں نمایاں ہورہے ہیں۔ جو لوگ جماعت کے ساتھ لگتے ہیں، اپنی اولاد کو دین پڑھانے کا جذبہ ان کے اندر بیدار ہوتا ہے اور پھر وہ مدارس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ یوں طلبہ کی ایک بڑی تعداد اس طرح سے مدارس میں آرہی ہے۔ دوسری وجہ عصری تعلیم کا مہنگا ہونا ہے۔ معاشرے کا وہ طبقہ جس کو پسا ہوا طبقہ کہتے ہیں بہت زیادہ اخراجات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ آج تعلیم کے نام پر کاروبار اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ عام آدمی کے لیے اپنے بچوں کی تعلیم جاری رکھنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ اس قسم کا طبقہ جو سفید پوش ہے اور وہ اپنے اخراجات پورے نہیں کرسکتا اپنی اولاد کو جہالت کے داغ سے بچانے کے لیے مدارس کا رخ کررہا ہے۔ اس وجہ سے بھی بہت سے طلبہ آئے دن مدارس میں آرہے ہیں۔

اللہ نے ہم سب کو کام کرنے کا اہم موقع عنایت کیا ہے۔ تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور یہ ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم طلبہ پر محنت کرکے، اچھے افراد پیدا کرکے معاشرے کو فراہم کرسکتے ہیں۔ آج اگر ہم نے اپنے آپ کو نہ سنبھالا، اپنی ذمہ داریوں کو نہ سمجھا اور پورا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے، کہیں ایسا نہ ہو مدارس پھر دوبارہ اسی پرانی نہج پر لوٹ جائیں، وہ پھر سے ویران ہو جائیں، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ نفرت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہوں

کہ ہم نے ان پر بھی اعتماد کر کے دیکھ لیا، یہ بھی ہمارے اعتماد پر پورے نہیں اترے۔

اپنی قدر پہچانیے:

اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب کی خدمت ذمے لگا کر ہمارے اوپر خصوصی فضل فرمایا ہے۔اس بات کا اظہار اس آیت میں فرمایا گیا ہے:''وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ، وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً۔''[النساء:113]

اللہ تعالی فرما رہے ہیں:''جس چیز کا تمہیں علم نہیں تھا، وہ تمہیں سکھا دیا اور یہ تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

اللہ تعالی نے ہمیں کتاب دی اور حکمت ودانائی بخشی تو یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ہم قرّاء و مدرسین کے لیے یہ نعمت کئی گنا بڑھ کر ہے۔اس لیے کہ اللہ نے ہمیں یہ کتاب عطا فرمانے کے ساتھ اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول کر کے اس سے بھی بڑا فضل فرمایا۔اس دگنی نعمت پر، دگنا شکر بھی ہمارے ذمے ہے۔ہم شکر ادا کرتے رہیں گے تو اللہ تعالی نعمت میں اضافہ فرماتے رہیں گے۔ارشاد فرمایا:

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ" [ابراھیم:7]''اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔'' یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ نے ہمیں ''معلم'' ہونے کی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت عطا فرمائی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّمَابُعِثْتُ مُعَلِّماً" کہ مجھے معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہے۔☆

اس لحاظ سے ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین ہیں۔اللہ ہمیں اس نسبت کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آپ حضرات کے بارے میں حضور علیہ السلام کا ایک اور ارشاد گرامی احادیث کے ذخیرے میں ملتا ہے:

☆ احکام القرآن للجصاصؒ: 226/5، دار احیاء التراث، بیروت

”اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ.“یعنی جو لوگ انسانوں کو خیر (دین) کی تعلیم دیتے ہیں، اللہ کی رحمتیں ہر آن ان پر برستی ہیں۔ اللہ کی نورانی مخلوق (فرشتے) ہر لمحہ ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ☆

خدمتِ قرآن کی اس مشغولیت اور اس پر ملنے والے بے شمار فضائل کے پیشِ نظر اگر کسی مدرسے میں ہمیں کوئی جگہ پڑھانے کو نہ ملتی اور ہم ان کے پاس جا کر کہتے کہ خدا کے لیے ہمیں پڑھانے کے لیے رکھ لو۔ اس کے عوض میں اپنے پلّے سے تمہیں کچھ نہ کچھ دوں گا، لیتا کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی بڑی بات تھی۔ لیکن یہاں تو معاملہ الٹ ہے۔ مدرسہ سب کچھ دے رہا ہے۔ مراعات بھی مل رہیں۔ تنخواہ بھی ملتی ہے، تو یہ اللہ کی مزید نعمت اور ان مدارس کا احسان ہے۔ بہت بڑی ناقدری ہوگی اگر ہم بچوں کے حقوق میں لاپروائی برتیں یا ادارے کے حقوق کا خیال نہ کریں۔

فتنے کے دور میں:

آپ کا دور، دورِ جدید کہلاتا ہے۔ طرح طرح کے ناموں کے ساتھ ... جدید ذرائع کا سہارا لے کر... قرآن پاک کے نام پر... دین کے نام پر... بعض مدارس قائم ہو رہے ہیں۔ ان مدارس کو چلانے والے باطل نظریات کے حامل ہیں۔ وہ دراصل چھوٹے بچوں کی غلط خطوط پر ذہن سازی کر کے، ان کو ہمیشہ کے لیے ایک غلط راستے پر دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں اہلِ حق کی ذمہ داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ جو ہزاروں کی تعداد میں طلبہ ہمارے پاس آرہے ہیں اور ہر آنے والے دن کے ساتھ ان کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے، انہیں سنبھالنا اور ان کی تربیت بھی ہمارا فریضہ ہے۔ انتظام کرنے والوں نے ہمیں ماحول مہیا کر دیا۔ ادارہ بنانے والوں نے ادارہ بنا دیا۔ قوم نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے اپنے بچے ہمارے سپرد کر دیے، اب ہمارا امتحان ہے۔ ہم میں سے ہر ایک سب سے پہلے اللہ کے سامنے اور پھر قوم کے سامنے جواب دِہ ہے۔ آیا ان بچوں کے حوالے سے ہم نے اپنی ذمہ داری کو نبھایا یا نہیں؟ مکرر

☆ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، رقم الحديث: 28740

عرض کرتا ہوں اگر خدانخواستہ ہم نے اپنے اخلاق سے ...اپنے کردار سے...اپنے انتظام سے...اور اپنی محنت سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کیا...تو...خدانخواستہ وہ وقت نہ آ جائے کہ یہ جو بچے ہمارے پاس آئے ہیں، ہماری ادنیٰ غلطی کی وجہ سے دوبارہ دوسری طرف لوٹ جائیں اور اس تعلیم سے ہی متنفر ہو جائیں۔

خوش گوار تدریسی زندگی کے تین اصول:

میں نے مدرسین کے آپس کے مسائل میں غور کیا تو نتیجہ یہ نکالا کہ اگر تدریسی زندگی میں ایک مدرس ان تین باتوں پر عمل کر لے تو کبھی کوئی شکوہ شکایت پیدا نہ ہو:

1) جس مدرسے میں تدریس کریں تو جب تک آپ سے کسی معاملے میں رائے یا مشورہ طلب نہ کیا جائے، ہرگز کوئی رائے نہ دیں۔ جب پوچھا جائے تو جو سمجھ میں آئے، دیانت کا خیال رکھتے ہوئے ان کے سامنے عرض کر دیں۔

2) کسی دوسرے استاد کی ہرگز کوئی خوبی یا خامی بیان نہ کریں۔ طلبہ کے سامنے، نہ ہی کسی دوسرے مدرس کے سامنے۔ مجمع میں اور نہ ہی کسی نجی مجلس میں۔ خامی تو بیان کرنی ہی نہیں چاہیے۔ خوبی کا اظہار کرنے سے بھی گریز کیا جائے، کیونکہ جب ایک شخص دوسرے کا وصف بیان کرتا ہے تو برائی کا راستہ خود بخود نکل آتا ہے۔ ممکن ہے آپ کی رائے سے کوئی دوسرا شخص متفق نہ ہو۔ وہ اس کی برائی بیان کرنے لگے یا اس کی وجہ سے کسی اور میں حسد اور رقابت کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ نیز اور کوئی نقصان ہو یا نہ ہو، آپ خود ہی اس کی زد میں آ سکتے ہیں۔ کسی بھی وجہ سے آپ کی اس رائے سے متفق نہ ہونے والا آپ کی مخالفت ضرور کرے گا۔ اس لیے دوسرے استاد کی خوبی یا خامی بیان کرنے سے قطعی گریز کیا جائے۔

3) یہ بات آپ کے لیے کئی لحاظ سے بہت مفید رہے گی کہ اپنے ساتھ پڑھانے والے مدرسین کا کبھی کبھی حسب استطاعت اکرام کر دیا کریں۔

جنہیں یہ باتیں بتائیں اور انہوں نے ان پر عمل کیا، پھر آ کر مجھے بتایا: ''ان باتوں پر عمل کر کے ہم ان تمام مسائل سے بحمد اللہ محفوظ رہے، جو تدریسی زندگی میں ایک مدرس، اس کے

مہتمم، دیگر اساتذہ اور طلبہ کے درمیان عام طور پر پیش آتے ہیں۔''

اپنے حفظ کی حفاظت کیجیے:

اس بات کی اہمیت کے پیش نظر، آگے بڑھنے سے قبل ابتدا ہی میں عرض کردوں کہ اپنے حفظ اور منزل کی بہت زیادہ فکر کریں۔ قرآن پاک حفظ کرنا ضروری نہیں، یہ دولت حاصل کرلینے کے بعد اس کی حفاظت لازمی ہے۔ اس مقصد کے لیے کسی بھی رمضان میں ''مصلّی'' سنانے کا ناغہ کبھی نہ کریں۔ میں اپنے زیر تعلیم اور فارغ التحصیل طلبہ کو سب سے زیادہ اسی بات کی تاکید کیا کرتا ہوں۔ اگر ہم قرآن پاک کی آیات میں غور کریں اور پڑھ کر بھلا دینے کا وبال ہمارے سامنے آئے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اللہ جلّ شانہ کا ارشاد ہے: "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى". [طٰہٰ:124] فرمایا: ''جو شخص اس نصیحت (قرآن پاک) سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

حافظ قرآن کی ''تلاوت'' سے بے توجہی اور غفلت بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ اس پر اللہ کی شدید ناراضگی لفظ ''اعمیٰ'' سے ظاہر ہے۔ یعنی قیامت کے دن اسے اندھا کر کے اٹھائے جانے کی شدید وعید ہے۔ اسی طرح پر اس سے اگلی آیت ہے: "قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا". [طٰہٰ:126] ''ارشاد ہوگا: ایسے ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے، تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا۔''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس کا مطلب صرف یہ ہی نہیں کہ قرآن پاک یاد کیا، پھر بھلا دیا۔ بلکہ وہ شخص جسے خداداد ذہانت کے بل بوتے پر ایسا پختہ یاد ہو کہ پڑھے بغیر بھی نہ بھولنے کا پختہ یقین ہو، اور اسی بنا پر وہ تلاوت کا اہتمام نہ کرے تو اسے بھی بھلا ڈالنے والا شمار کیا جائے گا۔ ☆

علمائے کرام علوم قرآنی میں مشغول رہتے ہوئے اپنے آپ کو تلاوت کے اہتمام سے

☆ مرقاۃ المفاتیح: 643/4، مکتبہ رشیدیہ

مستغنی سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ ہمارے اکابر کا معمول اس کے برعکس تھا۔ جو جتنے بڑے عالم تھے، ان کے حالات زندگی میں تلاوت کا اہتمام اتنا ہی زیادہ ملتا ہے۔

بہر حال! حفظ قرآن جتنی بڑی سعادت ہے اس سے بڑھ کر یہ ایک ذمہ داری ہے، اس کا احساس کیجیے۔

☆ ☆ ☆

ایک مثالی مدرس قرآن

(حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر احوال)

مجدد القراآت:

اس دور میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ قرآن کے سلسلے میں جو کام لیا ہے، بجا طور پر وقت کے علما، صلحا اور شیوخ نے انہیں ''مجدد حفظ و القراآت'' کے لقب سے نوازا۔ وہ اپنے فن میں اس دور کے مجدد ہیں۔ پاکستان بننے سے 4 سال پہلے حضرت ملتان تشریف لے آئے تھے۔ آپؒ کو حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ لے کر آئے تھے۔ فسادات کے وقت حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ ہندوستان واپس چلے گئے۔ اس کے بعد اپنے بال بچوں سمیت دوبارہ ہجرت کر کے آگئے۔ اسی جگہ کام شروع کیا اور چالیس سال تک مسلسل خدمت قرآن میں مشغول رہے۔

مجھے الحمدللہ 13 سال تک مسلسل حضرتؒ کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان تیرہ برسوں سے پہلے کے حالات بھی ہمیں اپنے بزرگوں سے سننے کا موقع ملا۔ پھر 1970ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر میں تدریس کے لیے چلا گیا۔ حضرتؒ کا وصال 1982ء میں ہوا۔ ان بارہ سالوں کے حالات و واقعات بھی ہمارے علم میں ہیں۔ لہٰذا آئندہ اوراق میں جو کچھ بھی آئے گا وہ حضرتؒ کی ہی تعلیم و تلقین یا صحبت کا فیضان ہے۔

درسگاہ سے عشق:

حضرتؒ کے ابتدائی زمانے کے تلامذہ سے سنا کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے لیے درس گاہ کی حاضری شروع سے ہی ایک دیوانگیِ شوق کے درجے میں رہی ہے۔ آپ کے ہاں

تمام دن تو تعلیم ہوتی ہی تھی، جمعے کے دن...جو چھٹی کا دن ہوتا ہے...بھی یہاں صبح نماز سے ایک گھنٹہ پہلے تعلیم شروع ہوتی اور تقریباً 9 بجے تک جاری رہتی۔ اس کے بعد چھٹی کی جاتی۔

ابھی تک وہ حضرات بقیدِ حیات ہیں جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ جب ہم شروع میں پڑھتے تھے، حضرتؒ کے ہاں عید والے دن بھی چھٹی نہیں ہوتی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ تعلیم ہوتی۔ پھر ہم گھروں کو جاتے۔ کپڑے بدل کر اپنے والدین کے ہمراہ عید گاہ چلے جاتے۔ ذرا آج کے اس دور کے ساتھ اس کا تھوڑا سا موازنہ کر کے دیکھیے۔ کیا ذہن کے کسی گوشے میں یہ تصور بھی آ سکتا ہے کہ یہ بھی اوقاتِ تعلیم ہو سکتے ہیں؟!

پابندیِ وقت:

اپنے 40 سالہ طویل تدریسی دورانیے میں کسی ایک دن بھی آپ نے غیر حاضری نہیں کی۔ اگر آپ یہ بات جامعہ خیر المدارس کے مہتمم یا وہاں کے اساتذہ سے پوچھیں کہ ''بھئی! ہم نے ایسے سنا ہے کیا یہ درست ہے؟'' تو وہ سب اس چیز کی گواہی دیں گے، ان شاء اللہ!

ہم مدرسین کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اس بارے میں سوچیں کہ کیا وہ ہماری ہی طرح کے انسان نہ تھے یا کوئی اور مخلوق تھے؟ کیا ان کی ضروریات نہیں تھیں یا وہ ان سے خالی تھے؟ حضرت کی شادی ہوئی تھی۔ آپ صاحبِ اولاد بھی تھے۔ بیماری بھی آئی۔ اموات بھی ہوئیں...سب کچھ ہوا۔ لیکن ان تمام امور کے ہوتے ہوئے کسی ایک دن کی بھی غیر حاضری نہیں ہے۔

وہ کون سا ایسا عمل کا جذبہ دل میں بھرا ہوا تھا، جس نے اس درجہ تک پہنچایا کہ چالیس سال میں کوئی بھی غیر حاضری نہیں۔ پھر نہ صرف یہ کہ غیر حاضری نہیں، بلکہ اوقات کی بھی پابندی تھی۔ ایسا نہیں کہ حاضری کا وقت 7 بجے ہے تو آپ 8 بجے آ گئے۔ دس بجے حاضر ہو گئے یا صرف شام کو پڑھا لیا اور چلے گئے۔ حقیقت یہ ہے آدھا گھنٹہ یا پندرہ منٹ پہلے آپ درس گاہ میں موجود ہوتے تھے۔ بہت سے بچے ابھی درس گاہ میں نہیں پہنچے ہوتے تھے، لیکن حضرت ان سے پہلے ہی موجود ہوتے۔ مدرسے سے حضرت کا مکان تقریباً 3 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ ہزاروں میں سے کوئی شخص بھی اس بات کی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا کہ اس نے دیکھا

ہو حضرت، عمر بھر میں کبھی تاخیر سے پہنچے ہوں۔

کیا مجھ سمیت سب اس بات کا تصور کر سکتے ہیں؟ ہم سب میں سے کوئی اپنے آپ کو پیش کر سکتا ہے کہ میں بھی درس گاہ میں اسی طرح پابندی کرتا ہوں؟ ایک دن نہیں، دو نہیں، سالہا سال تک انہوں نے ایسا کر کے دکھایا۔ سبحان اللہ!

دو تصویریں:

ایک مرتبہ اخبارات میں ایک خبر شہ سرخیوں کے ساتھ چھپی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے کسی جج کا بیٹا ایک حادثے میں جاں بحق ہو گیا۔ ان جج صاحب نے صرف ایک دن کی چھٹی کے بعد، وفات سے اگلے ہی دن عدالت میں حاضری دی اور اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ یہ خبر عوام، صحافیوں اور اربابِ حکومت کے نزدیک بڑے اچنبھے کی چیز تھی۔ بیٹے کی شہادت کے اگلے ہی دن ڈیوٹی دینے کو ایک کارنامہ قرار دیا گیا اور اسے شہ سرخیوں میں جگہ دی گئی۔ یہ واقعی ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر ہمارے حضرات کا جنہوں نے کبھی اپنے آپ کو تشہیر کا محتاج نہیں رکھا، ان کے کارنامے تو اس سے بھی بہت زیادہ اونچے ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک واقعہ سنتے چلیے۔

حضرت رحمہ اللہ کی ایک صاحبزادی کئی دن سے مسلسل بیمار تھی۔ ان کی بیماری کے دوران حضرت رات بھر ان کی دیکھ بھال کرتے اور دن میں حسبِ معمول درسگاہ میں حاضر ہوتے۔ یہ سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا۔ ادھر حضرت کے معمول میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔ درس گاہ کی حاضری اسی طریقے سے جاری تھی۔

پھر ایک دن اچانک تہجد کے وقت بچی کا انتقال ہو گیا۔ آپ اس رات بھی اس کی تیمارداری میں مصروف رہے تھے۔ اس عالم میں استقامت کی انتہا دیکھنے میں آئی۔ بیٹی کی میت گھر میں موجود تھی۔ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے گھر والوں سے صرف اتنا کہا: ''میں اتنے بجے مدرسے سے واپس آؤں گا۔ اس سے پہلے تجہیز و تکفین مکمل کر کے رکھنا۔'' اور گھر سے نکل گئے۔

یہ کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے واقعات ذکر نہیں کر رہا۔ یہ موجودہ دور کے

حالات اور واقعات ہیں۔ آج ہم پرانے بزرگوں کے حالات سن کر، معمولی سی زبان ہلا کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں: ''اجی! یہ تو پرانے اکابر کے واقعات ہیں، آج کل یہ کہاں ہوسکتا ہے۔''

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر والوں کو بس اتنا کہہ کر گھر سے چلے گئے۔ پھر پورا دن درس گاہ میں بیٹھ کر پڑھایا۔ مدرسے میں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ دوپہر تک مکمل پڑھانے کے بعد آپ گھر تشریف لے آئے۔ دیگر اساتذہ اور احباب بھی ہمراہ آگئے۔ میت اٹھائی اور قبرستان چلے گئے۔ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ حضرت قاری صاحب جنازہ ادا کر کے وہیں سے سیدھا مدرسے آگئے۔ چنانچہ ظہر کے بعد پڑھائی کا وقت شروع ہونے سے پہلے حضرت درس گاہ میں موجود تھے۔ میں نے پیچھے عرض کیا کہ جج صاحب نے بیٹے کے حادثے پر صرف ایک دن کی چھٹی کی اور اگلے روز عدالت میں حاضر ہوگئے۔ آج کے دور میں یہ بھی کمال ہے۔ مگر اس سے بڑا کمال یہ ہے کہ میت گھر پر ہے۔ اس وقت بھی غیر حاضری نہ کی اور معمولات میں ذرا فرق لائے بغیر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔

جن لوگوں نے اس طرح قربانیاں دی ہیں اور ایسی عرق ریزی سے اپنی ذمہ داری کو نبھایا تو پھر کیوں ان کے کام میں قبولیت نہ ہو؟ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ان کے جو شاگرد آپ کو ملیں گے، ان کے پیچھے یہی قربانیاں اور اخلاص وللّٰہیت کارفرما ہے۔

عجیب دعائیں:

حضرت رحمہ اللہ اپنی زندگی میں اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! مرنا تو ہر کسی نے ہے۔ میری موت ایسے وقت میں آئے کہ اس کی وجہ سے دوسرے مدرسین اور ان کی درس گاہوں کا نقصان نہ ہو۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کی یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ آپؒ کا انتقال 12 ذوالحجہ کی رات کو ہوا۔ مدرسین کا کوئی حرج نہیں ہوا کیونکہ یہ ایام چھٹیوں کے تھے۔ اللہ اکبر!

حضرت کی دوسری دعا اکثر یہ ہوتی تھی:

''اے اللہ! جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آتا ہے، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب انہیں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔اسی طرح کا ایک واقعہ فضائل اعمال میں حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا لکھا ہے۔ یہ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔لوگ جب ان کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ قبر پر سے ایک اینٹ اپنی جگہ سے ذرا ہٹ گئی۔ لوگ اسے درست کرنے کے لیے آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت ثابت بنانیؒ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ☆

حضرت قاری صاحب ان واقعات کا حوالہ دے کر دعا مانگتے:

''اے اللہ! جن کو نماز کا شوق ہوتا ہے، ان کو آپ نماز پڑھنے کا موقع عطا فرما دیتے ہیں۔ میری خواہش ہے جب میں مر جاؤں تو قبر میں میرے لیے درس گاہ بنا دیجیے، تاکہ میں وہاں بھی قرآن پاک پڑھاتا رہوں۔''

کیا ذوق تھا حضرت کا! اکثر یہ دعا بھی فرماتے اور ساتھیوں میں بیٹھ کر اس کا تذکرہ بھی فرماتے۔ایسا لگتا ہے، حضرت رحمہ اللہ کی یہ دعا بھی اللہ تعالی نے قبول فرمالی ہوگی۔اس طرح کہ حضرتؒ کے بہت سے طلبہ جنہوں نے شہادت پائی۔ بہت سوں کا فطری انتقال بھی ہوا۔ان جانے والوں کو بعد میں متعدد حضرات نے خواب میں دیکھا کہ حضرت کی درسگاہ لگی ہوئی ہے۔ یہ شہدا اور دیگر وفات پا جانے والے تلامذہ حضرتؒ کے گرد بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔

پتہ چلا کہ انہیں اپنے مشن سے کس قدر لگن تھی۔ قرآن کریم کا شوق اور جذبہ دل کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے مرنے کے بعد بھی اسی کی خواہش فرما رہے ہیں۔ یہ خالی زبانی باتیں نہیں۔آپ کی مصروف زندگی کو پرکھ کر دیکھیے۔اس کے پیشِ نظر کچھ بعید نہیں، اللہ تعالی نے وفات کے بعد...عالم برزخ میں...بھی آپ کے لیے ایسے حالات پیدا فرما دیے ہوں۔

قراآت کی تدریس:

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جن طلبہ نے باقاعدہ حفظ کیا، ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔جنہوں نے آپ سے قراآت سبعہ، شاطبیہ اور جزری وغیرہ پڑھی، ان کی

☆ فضائل اعمال: 425، 426، مكتبة البشرى

تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔تاہم اس فن کی تدریس کے لیے باقاعدہ مدرسے کی جانب سے کوئی شعبہ قائم نہیں تھا۔اس کے باوجود سیکڑوں بچوں نے قراآت عشرہ کیسے پڑھ لی؟ حضرت کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی آپ کی زندگی کا ایک انوکھا پہلو ہے۔

ترتیب اس کی کچھ یوں تھی کہ حضرت کے پاس حفظ کر کے جو بچے کتابوں میں چلے جاتے، ان کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پابندی تھی کہ ان کا جو گھنٹہ بھی فارغ ہو، اس وقت سیدھا حضرت کی درس گاہ میں چلے آئیں۔ہم نے خود اس کا مشاہدہ کیا کہ متوسطہ سالِ اوّل سے لے کر دورہ حدیث شریف تک کے تمام طلبہ، جس کا بھی کوئی گھنٹہ فارغ ہوتا، وہ اس وقت میں حضرت کے پاس ضرور حاضر ہوتا۔آج کوئی ماں کا لال ایسا ضابطہ بنائے اور اس پر عمل کروا کے دکھائے، ممکن ہی نہیں۔صرف اسی پر بس نہیں کہ ان حضرات کے لیے فارغ گھنٹے میں آنا ضروری تھا، بلکہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پابندی یہ بھی لگائی ہوئی تھی کہ جب دوپہر کو مدرسے سے چھٹی ہو جائے اور اسباق ختم ہو جائیں تو ایک گھنٹے کے لیے پھر آیا کریں۔

جن بچوں کی ''قراءت'' شروع ہو چکی ہوتی تھی، ان کو اپنے طور پر عصر سے مغرب تک لے کر بیٹھتے۔اسی طرح پر جب آپ دوپہر کو آرام کے لیے بستر پر لیٹے ہوتے تب بھی ''قراآت'' والے 5، 7 طلبہ آپؒ کے اردگرد اپنے اسباق سنا، یا دہرا رہے ہوتے تھے۔یوں اپنے خارجی اور آرام کے اوقات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قراآت کے فن کو آگے منتقل کیا۔

مدرسین کرام! آپ ہی بتائیے! جو شخص محنت اور لگن سے صبح سے لے کر دوپہر تک پڑھاتا ہے، کیا دوپہر کو اس کے اندر اتنی سکت ہوتی ہے کہ مزید پڑھا سکے؟ دل لگا کر اور اپنی جان مار کر پڑھانے والوں کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔اگر دوپہر کو آرام نہ کیا جائے تو طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔لیکن ہمارے حضرت آرام کے وقت کو بھی پڑھانے پر صرف کرتے۔عصر کے بعد کا وقت بھی آرام کا ہوتا ہے۔جیسا کہ تمام مدرسین کا ہی معمول ہوتا ہے۔لیکن حضرت قاری صاحب اس وقت بھی بیٹھ کر قرآن کریم پڑھاتے تھے۔ان اوقات میں پڑھنے والے سب

بچے ''قراآت'' کے ہی ہوتے تھے۔

یہ ہے مدرِّسی! اسے کہتے ہیں لگن! اور جن کی یہ باتیں آپ کے سامنے آئیں وہ ہمارے اسی زمانے سے تعلق رکھتے تھے۔

استاد سے عشق:

بڑے حضرت.... حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ.... مسجد سراجاں حسین آگاہی میں تشریف لاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات تو کافی طویل قیام بھی فرماتے تھے۔ اُن دنوں ہمارے حضرت.... قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ علیہ.... اپنے گھر آنا جانا موقوف فرما دیتے تھے۔ مستقل قیام مسجد سراجاں میں ہی رکھتے تھے۔

نظام الاوقات کی ترتیب اس طرح سے ہو جاتی تھی:

فجر کے بعد مدرسے کے وقت سے پہلے خیر المدارس اپنی درسگاہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ دوپہر کی چھٹی کے وقت واپس مسجد سراجاں اپنے شیخ رحمہ اللہ کے پاس آجاتے۔ ظہر مسجد سراجاں میں ہی ادا کر کے.... جو اوّل وقت 1 بجے ہوتی تھی.... نماز سے فارغ ہو کر درسگاہ کے وقت سے پہلے پھر مدرسہ تشریف لے جاتے۔ عصر کی چھٹی کے وقت معمول کے مطابق مسجد سراجاں تشریف لے جاتے اور عصر کی نماز ادا فرماتے۔ پھر فجر کے بعد مدرسے کے وقت تک یہیں تشریف رکھتے۔ جب تک شیخ رحمہ اللہ کا قیام ملتان میں رہتا، یہ ترتیب مستقل تھی۔ گرمی، سردی یا کسی اور وجہ سے اس میں ذرہ برابر بھی تخلّف نہ تھا۔

بحمدہ تعالی جب تک میں بطور طالب علم حضرت کی خدمت میں رہا.... تقریباً 13 سال.... سائیکل پر لانے، لیے جانے کی خدمت بھی میرے حصّہ میں تھی۔ اس ترتیب اور اس واقعے میں کتنی بہترین اور قابل تقلید مثال ہے، درسگاہ سے ایک منٹ کے لیے بھی غیر حاضری برداشت نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ کی خدمت میں بھی کتنا وسیع وقت دے رہے ہیں۔

ادب کی اعلیٰ مثال:

شیخ قاری فتح محمد رحمہ اللہ کی مجلس میں کبھی بھی نہیں دیکھا گیا کہ حضرت قاری رحیم بخش

صاحب رحمہ اللہ کبھی چوکڑی مار کر بیٹھے ہوں۔ دوزانوں، یک زانوں بیٹھتے۔ حالانکہ حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ شوگر کے مریض، معمّر اور بدن بھی قدرے وزنی تھا، نیز یہ کہ شیخ قاری فتح محمد رحمہ اللہ نابینا بھی تھے ان کو کیا معلوم کہ کون کس طرح بیٹھا ہے۔

نیز یہ بھی ہمیشہ دیکھا گیا کہ جب حضرت قاری رحیم بخش صاحب اپنے شیخ کی خدمت میں ہوتے اور جماعت کا وقت ہو جاتا۔ ہمیشہ دیکھا گیا کہ حضرت قاری رحیم بخش صاحب اپنے شیخ کے برابر میں کھڑے ہوتے، نماز باجماعت سے فراغت کے بعد نہ اپنی جگہ چھوڑتے اور نہ ہی نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے، یہاں تک کہ شیخ خود نماز میں مشغول ہو جائیں۔ یہ سب اس لیے تھا کہ شاید شیخ نے کچھ فرمانا ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ فرمانا چاہیں اور میں موجود نہ ہوں۔

[مرتب نے یہاں حضرت اقدس صاحبِ فرمودات دامت برکاتہم کی ایک عجیب ادا ملاحظہ کی کہ آپ نے اپنی تحریر میں حضرت بڑے قاری صاحب رحمہ اللہ اور حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی لکھنے کے بجائے غایت ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے ان حضرات کے اسما کے لیے ایک رمز مقرر فرما دیا۔]

حضرت رحمہ اللہ کا ذوق عبادت وتلاوت:

1- حضرت رحمہ اللہ کا یہ معمول تو ہر خاص وعام کے علم میں ہے کہ حضرتؒ رمضان المبارک میں دس پارے یومیہ سناتے۔ رمضان المبارک میں تقریباً دس قرآن پاک تراویح میں سناتے تھے۔ عشا سے لے کر سحری سے کچھ دیر قبل تک تراویح میں مشغولیت رہتی۔ بعض دفعہ کراچی کے اکابر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب رحمہ اللہ علیہ، حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی صاحب رحمہ اللہ علیہ وغیرہ حضرات بھی تراویح میں شرکت فرماتے تھے۔

رات بھر کی اس مشقّت کے باوجود دن میں بھی معمولی آرام فرماتے تھے۔ دن کا اکثر حصّہ تصنیف وتألیف اور مہمانوں، شاگردوں وغیرہ سے ملاقات میں صرف ہوتا۔

2- حضرت جن دنوں ملتان تشریف لے آتے۔ مسجد سراجاں میں قیام کے دوران بہت

وقت خدمت میں حاضر رہنے کو ملتا۔ سردی کی راتوں میں صبح صادق سے تقریباً تین گھنٹے قبل بیدار ہو کر تہجد میں مشغول ہو جاتے۔ اسی قیام میں بعض دفعہ دو دو گھنٹے کے سجدے کا بھی مشاہدہ کیا۔ بعض دفعہ دو یا اس سے بھی زائد گھنٹے مسلسل دعا میں مشغولیت دیکھی۔

اکثر فجر کی نماز میں امامت فرماتے اور طویل قراءت فرماتے تھے۔ دو رکعتوں میں عموماً ایک پاؤ سے زائد کی تلاوت ہوتی تھی۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر ضروری تسبیحات کے بعد دعا شروع فرماتے، عام طور پر سورج طلوع ہو جاتا تھا۔ یہ منظر تو یہاں فیصل آباد تشریف لانے پر دیکھنے والے اور دعا میں شرکت کرنے والے اب تک یاد کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے ان اکابر کے ذوق عبادت کا کچھ ذرہ ہم نام لیواؤں کو بھی نصیب فرمادیں۔

اپنے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کو ہمیشہ دیکھا کہ کہیں بھی، کسی بھی نماز میں نہیں دیکھا گیا کہ جماعت کھڑی ہو رہی ہو اور اقامت کے وقت آپ صف اوّل میں عین امام کے پیچھے نہ ہوں۔

خیر المدارس میں اذان ظہر جماعت سے نصف گھنٹہ قبل ہوتی تھی۔ ہمیشہ دیکھا گیا کہ اذان شروع ہونے سے قبل آپ مسجد میں، صف اول میں امام کے پیچھے جگہ پر پہنچے ہوتے تھے۔ جماعت کھڑی ہونے تک تلاوت میں مشغول رہتے۔

اپنے محلے کی مسجد کی امامت نہیں تھی۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے جاتے تھے۔ مسجد والوں نے فجر کی نماز ذمے لگا رکھی تھی۔ حضرت خود پڑھاتے، طویل تلاوت فرماتے تھے۔

تراویح میں قرآن پاک ہمیشہ سنایا۔ آخر میں شوگر کی شدّت اور ضعف کی وجہ سے مسجد میں تراویح کی امامت ترک فرمادی تھی۔ لیکن صبح تہجد میں چار رکعت میں پانچ پارے پابندی سے سناتے تھے۔ اس کے علاوہ رمضان المبارک میں یومیہ تقریباً 15 پارے منزل تلاوت فرماتے تھے۔

باوجود تدریس وغیرہ کی مشغولیت کے رمضان المبارک میں حضرت کی درسگاہ مستقل طور پر مسجد سراجاں میں ہی ہوتی تھی۔ تمام طلبا کی سحری، افطاری کا بہترین اور پرتکلف انتظام

خود حضرت اپنی ذمہ داری پر فرماتے تھے۔

عشا کے بعد تراویح سے فراغت پر بصورت نوافل سینکڑوں طلبا نصف شب کے بعد تک تعلیم میں مصروف رہتے۔ رہائشی فارغ التحصیل شاگرد بھی کافی تعداد میں آجاتے۔ شہر کے وسط میں قرآن پاک کے اور رمضان المبارک کے انوارات و برکات سے پورا ماحول بقعہ نور بنا ہوتا، جس کی چاشنی، لذّت و سکون ابھی تک قلب وجگر اور جسم کے انگ انگ میں رسا بسا ہوا ہے۔

وصیت نامہ:

یہ ستمبر 1982ء کی بات ہے۔ حضرت کے انتقال کے بعد ہمیں ان کا ایک وصیت نامہ ملا۔ اس میں دیگر وصایا میں ایک وصیت یہ بھی درج تھی۔ حضرت نے لکھا تھا:

''میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ میری طرف سے مدرسے کا کوئی حق ایسا نہ رہے، جو ادا نہ کیا ہو۔ مگر یہ ممکن ہے کہ میں درس گاہ میں بیٹھا ہوں اور کبھی میرا ذہن پوری طرح حاضر نہ ہو۔ میرے خیالات کہیں اور بھٹکتے رہے ہوں۔ لہٰذا میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ میری آمدنی میں سے دس ہزار روپے مدرسے میں جمع کروا دیے جائیں۔''

آپ سن 82ء کے دس ہزار کی ''ویلیو'' کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ تصور کیجیے! ایک ایسا شخص جس نے اپنا سب کچھ مدرسے کے لیے وقف اور طلبہ پر قربان کر دیا ہو۔ ایک مثال قائم کر دی ہو کہ حاضری کسے کہتے ہیں اور اپنے منصب کے ساتھ دیانت داری کی ایک تاریخ رقم کی ہو۔ اس کے باوجود بھی آخرت کی فکر غالب ہے کہ مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہوگئی ہو۔ اس موہوم کوتاہی کا ازالہ کرنے کے لیے وصیت کی کہ میری طرف سے 10 ہزار مدرسے میں جمع کرا دینا۔

ہم اُنھی کے نام لیوا ہیں۔ اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ کبھی ہم تنہائی میں بیٹھ کر سوچ لیا کریں کہ ہم جن کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑتے ہیں، کیا ہماری حاضری کی صورتِ حال بھی ان جیسی ہے؟

☆☆☆

دوسرا باب

کامیاب مدرّسِ قرآن کے اوصاف

اخلاصِ نیت

ہمارے اکابر اس بات کی بطور خاص وصیت اور تلقین کرتے ہیں اور اس پر پوری طرح متوجہ کرتے ہیں کہ مدرس کو اپنی نیت کی اصلاح کرنی چاہیے۔ وہ یہ نیت کرے:

"اے اللہ! میں آپ ہی کی رضا کے لیے درسگاہ میں آیا ہوں۔ آپ کی رضا کی خاطر یہاں بیٹھا ہوں۔"

اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں، جیسے: تنخواہ، عزت اور شہرت وغیرہ یہ سب ضمناً حاصل ہو جائیں گی۔ اگر ان چیزوں کو مقصد بنالیا کہ میں وہاں جاؤں گا تو مجھے اتنے اور اتنے ہزار تنخواہ ملے گی۔ مجھے "قاری صاحب" کہا جائے گا۔ شہرت بھی ملے گی..... کسی بھی چیز کو اس نے اپنی نیت کی بنیاد بنالیا تو سمجھ لو کہ اس کا پڑھنا، پڑھانا سب ضائع ہو گیا۔ اس لیے مدرسین کو سب سے پہلے اپنی نیت کی اصلاح کرنی چاہیے۔

صحیح بخاری شریف کی یہ سب سے پہلی حدیث یقیناً آپ سب حضرات نے سن رکھی ہو گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم یقول: اِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، واِنَّمَا لِامْرِیٍٔ[لکلِّ امریٔ] مَّا نَوٰی ......" (صحیح البخاری: 1/1، الطاف سنز، کراچی)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

جب ایک مدرس مضبوط ارادے، درست نیت اور اخلاص کے ساتھ بیٹھے گا تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کا اثر اس کے کام پر پڑے گا۔ وہ پوری ہمت اور دیانت داری کے ساتھ کام کرے گا۔ اس لیے کہ جب اس کا مقصد ہی اللہ کو راضی کرنا ہے تو اس کے لیے پابندی کرنا اور

اس ماحول میں جتنی بھی خلاف طبیعت اور ناگوار باتیں پیش آئیں گی، ان کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا۔ یوں اپنے مقصد کے ساتھ ایک لگن پیدا ہو جائے گی۔

درست نیت انسان کے اندر ایک قوت پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے اندر ایک ایسا جذبہ عمل پیدا ہو جاتا ہے کہ دیگر ہر طرح کی باتیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ حضرت اقدس حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جب ایک معلم کی نیت درست ہوگی تو بہت بعید ہے کہ وہ یہ نیت کرنے کے بعد اپنی درسگاہ میں کسی اور کام میں مصروف ہو۔''

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا واقعہ پیچھے گزرا ہے۔ جس کے مطابق حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و مرشد سے کوئی ذکر تلقین کرنے کی درخواست کی تو حضرت رائے پوری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' آپ کو ذکر کی ضرورت نہیں۔ آپ پہلے سے ہی بہترین ذکر میں صبح سے شام تک مصروف ہیں۔ آپ صرف یہ نیت کر لیا کریں کہ ''اے اللہ! آپ کی رضا کے لیے بیٹھا ہوں'' اور اس نیت کا استحضار تعلیم کے دوران میں بھی رکھا کریں۔ بیٹھتے وقت پورے اہتمام کے ساتھ نیت کی تجدید کر لیا کریں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت کی درستگی، اس کا مسلسل استحضار اور وقتاً فوقتاً اس کی تجدید کرتے رہنا یہ انتہائی بنیادی اور اہم چیز ہے۔

نیت کر لینے کے بعد درسگاہ میں بیٹھ کر ایک مدرس کا اخلاقی لحاظ سے یہ فرض بن جاتا ہے کہ اپنا تمام کا تمام وقت، پورے طور پر دل و دماغ کو حاضر رکھ کر بچوں کی خدمت کے لیے صرف کر دے۔

☆☆☆

مستقل مزاجی

تدریس یا خانہ بدوشی؟

جولوگ بار بار جگہ بدلتے ہیں، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ بتا نہیں سکتے کہ 20 سال پڑھانے کے باوجود کتنے بچوں نے ان سے حفظ کیا؟ وہ ایسے ہی اساتذہ ہوتے ہیں جو جم کر اور ڈٹ کر نہیں پڑھاتے۔ ایک سال کہیں، دوسرے سال کہیں تو تیسرے سال کہیں اور۔ ایسا استاد اپنی کوئی کارکردگی کسی کے سامنے واضح طور پر پیش نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اپنے اندر پیدا کرنے کا ایک وصف ''استقامت'' بھی ہے۔ اسی کو عربی محاورے میں کہا جاتا ہے: "اَلْاِ سْتِقَامَةُ فَوْقَ أَلْفِ کَـرَامَة" کہ ایک مستقل مزاجی ہزار کرامتوں پر بھاری ہے۔ ایک عابد ہے۔ اس پر عبادت کا شوق غالب ہے۔ وہ پوری پوری رات نفلیں پڑھ رہا ہوتا ہے۔ دو چار یا پانچ، سات دن یہ چلتا رہا، اس کے بعد ختم ہوگیا۔ دوسرا شخص وہ ہے جو ساری رات سوتا ہے۔ فقط صبح تہجد میں اٹھتا ہے، صرف پندرہ منٹ ہی سہی، مگر اس پر دوام اختیار کرتا ہے۔ اس کا درجہ اس شخص سے بھاری ہے جو ساری ساری رات اپنے وقتی جذبے کے ساتھ کھڑا رہا، اس کے بعد اس میں کمی اور کمزوری آ گئی۔

یہ پندرہ منٹ عبادت کرنے والا پہلے والے سے افضل اس لیے ہے کہ اس نے تھوڑا ہی سہی، مگر اسے مستقل بنیادوں پر کیا اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس لیے اپنے اندر استقامت پیدا کرو۔ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خَیْـرُ الْاُمُـوْرِ اَوْسَـاطُهَـا."

(جامع الأصول فی أحادیث الرسول، رقم الحدیث: 101)

''بہترین کام وہ ہے جو میانہ روی کے ساتھ کیا جائے۔''

نیز حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے:

"اِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ. فَکَانَتْ عَائِشَةُ اِذَا عَمِلَتْ، دَاوَمَتْ

عَلَیْہِ۔" (الزهد و الرقاق لابن المبارك رحمه الله تعالى: 1/468)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ہاں محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ مقدار کے اعتبار سے کم ہو۔" راوی فرماتے ہیں: اس حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمانے والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی معمول تھا۔ وہ جب کوئی نیک کام شروع فرماتیں تو پھر اس پر ہمیشگی اختیار فرماتی تھیں۔"

مداومت اور میانہ روی کے ساتھ چلتے رہیں اور ہمیشہ چلتے رہیں، آپ بہترین کام کر سکیں گے۔ ہمارے مدرسین میں اسی وصف کی شدید کمی ہے۔ اگر انتظامیہ نے آپ کے لیے کوئی اجلاس بلا لیا، تربیتی نشست ہو گئی، جذبات پیدا ہوئے، آپ نے درسگاہوں میں جا کر بڑی شدت سے کام شروع کر دیا، لیکن دس پندرہ دن اس کا اثر رہا، اس کے بعد پھر ڈھیلے ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ظاہری طور پر اس مجلس کے تھوڑے بہت اثرات واقع ہوئے ہیں۔ اس کی طبیعت مستقل کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ اپنی طبیعت کو استقامت کے ساتھ کام کرنے کا عادی بنایا جائے۔

پیچھے بتلایا گیا کہ حضرت قاری صاحب کی تدریس کا عرصہ 40 سال ہے۔ ہماری تدریس کا عرصہ کیا ہوتا ہے؟ ایک سال کہیں تو اگلے سال اگلا مدرسہ۔ چل پھر کر خانہ بدوشوں جیسی ہماری تدریس ہے۔ انہوں نے استقامت کے ساتھ چالیس سال تک ایک ہی جگہ پڑھایا۔ یہ نہیں ہے کہ ان کو کچھ واقعات اور حالات بھی پیش نہ آئے ہوں۔ ایسے متعدد حالات پیش آئے جو ان کو ان کی جگہ سے ہٹانے کے لیے کافی تھے۔ جن کا میں خود چشم دید گواہ ہوں۔ تاہم ان تمام حالات کے باوجود اپنی ذمہ داری کو چالیس سال تک انہوں نے پوری دیانت، جانفشانی اور وفاداری کے ساتھ وقت گزارا اور خوب محنت کے ساتھ پڑھایا۔ اس لیے مدرس کو حتی الامکان یہی کوشش کرنی چاہیے کہ ایک جگہ پڑھائے اور جم کر پڑھائے۔

استقامت ہو تو ایسی:

مدرسے کے ساتھ تعلق، مدرسے کے مہتمم کے ساتھ محبت اور معاملات میں استقامت کی

شاندار مثال ان سب حضرات کے دنیا سے چلے جانے کے بعد والوں کے لیے ہمیشہ موجود رہے گی۔ کسی نے اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو خیر المدارس کے اس قطعہ نور میں جائے، جہاں ہمارے بڑے آرام فرما رہے ہیں۔ ہر جانے والا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جانب حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ مہتمم مدرسہ محمدیہ آرام فرما رہے ہیں۔ دوسری جانب حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ مہتمم جامعہ خیر المدارس آسودہ خاک ہیں۔ حضرت قاری صاحب نے کسی قسم کے حالات میں اپنی زندگی میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور مرنے کے بعد بھی ان دونوں حضرات کے درمیان جگہ پائی۔ قیام پاکستان سے پہلے تدریس کے ابتدائی زمانے میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے ماتحت کام کیا اور قیام پاکستان کے بعد خیر المدارس میں، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے دور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ بعض دفعہ اپنے ان متعلقین کو جن کو دوران تدریس اپنے مہتمم سے شکوہ شکایت ہوتا اور یہ تنازع کی صورت اختیار کر جاتا، ان کو سمجھاتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے تھے:

”تم کیسے مدرس ہو، اپنے محسن کے ساتھ لڑتے ہو۔ مہتمم تو تمہارا محسن ہے کہ اس نے تمہیں ہر طرح کی معاشی فکر سے آزاد کر کے دین کی اور قرآن پاک کی خدمت میں مصروف ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا۔ تمہاری معاش کے ہر طرح کے تفکرات اپنے سر لے لیے۔ ایسے محسن کی تو ہر صورت میں قدر کرنی چاہیے نہ کہ شکوہ شکایت اور لڑائی جھگڑا۔ ان سے علیحدہ ہو جانے کا تقاضا نہیں ہونا چاہیے۔

پھر فرماتے کہ میری زندگی تمہارے سامنے ہے کہ کیسے بھی حالات آئے، مدرسے یا مہتمم سے علیحدہ ہونے کا سوچا بھی نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ یکے بعد دیگرے مدرسے کے مہتمم حضرات ہی مجھے داغ مفارقت دیتے رہے۔ پہلے میرے مہتمم مولانا محمد علی جالندھریؒ بنے۔ انہوں نے اہتمام سمیت مجھے بھی مولانا خیر محمد صاحب کے سپرد کیا۔ پھر میرے مہتمم مولانا خیر محمد بنے۔ وہ بھی مجھے داغ مفارقت دے گئے۔ پھر مولانا محمد شریف صاحبؒ (قاری حنیف جالندھری صاحب کے والد محترم) کا 198ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا اور جنت المعلی کے

قبرستان میں مدفون ہیں، میرے مہتمم بنے۔ وہ بھی مجھے چھوڑ کر چل بسے۔''

مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت قاری (رحیم بخش صاحب) رحمہ اللہ نے مولانا قاری محمد حنیف صاحب کے باوجود انتہائی کم عمری کے، نہ صرف ان اہتمام کو تسلیم کیا، بلکہ ان کے مہتمم بنانے میں کردار بھی ادا فرمایا اور زندگی کے آخری سانس تک انہی کے زیرِ اہتمام تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس ہونہار، فرزندِ لائق وفائق، رئیس الجامعہ خیر المدارس نے حضرت قاری صاحبؒ کے لیے جامعہ خیر المدارس میں اپنے آبائی اور خاندانی قبرستان میں تدفین کا فیصلہ فرمایا۔ حضرتؒ کی رحلت کے آخری لمحات میں اکثر اعزا اور بہت سے متعلقین ہسپتال میں موقع پر ہی موجود تھے۔ انتقال کی خبر سنتے ہی حضرت مہتمم مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری بھی فوراً ہسپتال پہنچ گئے۔ حضرتؒ کی میت کو گھر لے جانے سے پہلے ہی ہسپتال کے ایک کمرے میں اجلاس ہوا، جس میں تمام امور طے کیے گئے کہ جنازہ گھر سے کس وقت اٹھایا جائے گا؟ نمازِ جنازہ کہاں اور کس وقت ادا کی جائے گی؟ اور دفن کے متعلق بھی حضرت مہتمم صاحب کی ذاتی رائے تو خیر المدارس میں ہی اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کی تھی۔ مزید انہوں نے خاندان کے دوسرے معتبر حضرات سے مشاورت کے بعد باقاعدہ خیر المدارس میں واقع اپنے ذاتی خاندانی قبرستان میں دفن کا فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ تمام امور طے پا جانے کے بعد حضرت کی میت کو گھر روانہ کر دیا گیا۔

تو یہ مختصری داستان ہے وفا، استقامت، مستقل مزاجی کی اور زندہ جاوید مثال ہے تا زندگی ایک ہی جگہ پر رہ کر کام کرنے کی۔ اللہ تعالیٰ اس وصف کا کوئی ذرہ ہمیں بھی نصیب فرما دے۔ آمین۔

☆☆☆

اپنے اساتذہ سے تعلق اور ان کی خدمت

ترقی کا راز:

کبھی سوچا آپ نے کہ ہمارے جن اکابر کے کاموں میں بے شمار برکات، ترقیات اور وسعتیں ملتی ہیں، ان کے شاگرد اِن پر مرمٹنے کو تڑپتے ہیں۔ آخر اس کا راز کیا ہے؟ ہم جب اپنے بڑوں کی سیرت وکردار کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ اس کی واحد وجہ ان کا اپنے اساتذہ کرام سے والہانہ تعلق، دل کی گہرائیوں سے ان پر فدا ہونے کا جذبہ اور بے لوث خدمت تھی۔

درس گاہ کی ترقی میں ظاہری اصول وضوابط کے ساتھ ساتھ اس چیز کا بے حد دخل ہے۔ یہ چیز ایک مخفی تاثیر رکھتی ہے۔ یہ محنت سے ماورا کوئی چیز ہے۔ درحقیقت اس میدان میں کام کرنے والوں کے لیے اصل چیز ہی یہی ہے۔ یہی اصل سرمایہ ہے۔ اگر اس تعلق کی بنیاد اخلاص پر استوار ہو تو... تجربہ شاہد ہے... ایسے مدرس کے کام میں ہمیشہ نکھار ہوگا۔ ترقی، برکت اور وسعت ہوگی۔ تھوڑی سی محنت کرے گا تو وہ بہت ابھر کر سامنے آئی گے۔

آج ہم میں سے اکثر کا تعلق اپنے اساتذہ سے کٹا ہوا ہے۔ اگر ہے تو مخلصانہ نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بجلی سے چلنے والی تمام چیزیں ایک پاور ہاؤس سے جڑی ہوتی ہیں۔ جب تک یہ اشیا بجلی گھر سے منسلک ہیں، روشن ہیں۔ جونہی ان کا ناتہ منقطع ہوگا، تاریکی چھا جائے گی۔ آپ کی طرف بھی روحانی فیضان اپنے استادوں سے آرہا ہے۔ اگر تعلق نہ رہے گا تو یہاں درسگاہ میں کہاں سے لائن آئے گی۔ پھر برکت، وسعت اور نکھار کی روشنی نہ آسکے گی۔ یہ روحانی تعلق پورے اخلاص کے ساتھ قائم ہے تو آپ کی درسگاہ میں اس کی روشنی اور اس کی قوت پوری طرح واضح ہوگی اور اگر پیچھے سے ہی تعلق منقطع ہے تو یہاں

بھی اندھیرا چھایا رہے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول:

میں نے ہمیشہ حضرت قاری صاحبؒ کو دیکھا، انہوں نے اپنے استاد کی خدمت کو زندگی کا نصب العین بنائے رکھا۔ پھر آخر عمر میں جب حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کو فالج ہو گیا تھا، وہ کراچی میں رہائش پذیر تھے۔ ہمارے حضرت اپنے بیمار استاد کی تیمارداری کے لیے جمعرات کو چھٹی کر کے شام کی ٹرین سے سوار ہوتے اور جمعہ کو صبح ہی کراچی پہنچتے۔ سارا دن استاد کی خدمت میں حاضر رہ کر رات کو ٹرین پر سوار ہوتے اور ہفتے کی صبح درسگاہ میں حاضر ہوتے۔ کیا آج ہمارا بھی اپنے اساتذہ سے ایسا تعلق ہے؟

ہم نے حضرت قاری صاحبؒ کو ہمیشہ ایسا کرتے دیکھا کہ قربانی کا موقع آتا تو جہاں آپ اپنی طرف سے قربانی کرتے، بڑے حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کی طرف سے بھی قربانی کی جاتی، استانی محترمہ کی جانب سے بھی قربانی ہوتی۔ امام دانیؒ جو فن قرات کے امام ہیں، ان کی طرف سے بھی قربانی کرتے۔ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر سال چند نام منتخب کر کے ان کی طرف سے بھی قربانی فرماتے۔ پھر کیوں نہ اُن کے فیوض و برکات اِدھر منتقل ہوتے۔ میرا بھی الحمدللہ ہر سال یہی معمول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بلا ناغہ قربانی کرتا ہوں۔ نیز اہل بیت اطہار، صحابہ کرام اور انتقال فرما جانے والے اساتذہ میں سے حضرت قاری صاحبؒ اور دیگر اساتذہ میں سے چند اسمائے گرامی منتخب کر کے ان کی طرف سے قربانی... اپنی قربانی کے بعد... ضرور کرتا ہوں۔

تعلق قائم رکھنے کی صورتیں:

اگر اساتذہ کرام حیات ہوں، صحت مند ہوں، ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان سے دعا کی درخواست کریں۔ بتلائیں کہ استاذ جی! میں فلاں جگہ پڑھا رہا ہوں۔ فلاں کام میرے ذمے ہے۔ کمزور ہوں، آپ کی دعا سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرمائیں

گے۔ میرے لیے دعا کر دیں۔ استاد کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کی درخواست بھی کرتا رہے کہ تعلیم کے دوران مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئیں اور پھر اپنی کوتاہیوں کا ذکر بھی کرے کہ یہ کوتاہیاں مجھ سے ہوئیں۔ آپ مجھے اللہ کے لیے معاف فرما دیں تاکہ میری درسگاہ میں برکت ہو۔

استاد اگر دور ہیں تو خط و کتابت کا سلسلہ ان سے جاری رکھ کر دعاؤں کی درخواست کرتا اور کبھی حاضری بھی دیتا رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں تو ان کی خدمت میں کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش کرتا رہا کرے۔

ہمارے جامعہ کا نظم:

ہمارے ہاں (جامعہ دارالقرآن، فیصل آباد میں) معمول ہے ہر روز ایک وقت میں سارے بچے سورہ یٰس پڑھتے ہیں۔ ہمارا یہ معمول ظہر کے متصل بعد کا ہے۔ اس وقت سارے طلبا حفظ والے بھی، کتب والے بھی، قراءت والے بھی سارے شعبوں کے طلبا اس وقت میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چند اساتذہ کا نام لے کر اور سلسلے کے تمام بزرگوں کے لیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے موجودہ اساتذہ تک، جن کے طفیل ہمیں قرآن پاک کی یہ دولت نصیب ہوئی ہے، ان سب کے ایصال ثواب کے لیے یہ عمل کیا جاتا ہے۔ اس عمل کی برکات کا ہم کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایسی ہی چیزوں سے درسگاہ میں برکت اور رونق آتی ہے۔

آپ چاہیں یا نہ چاہیں:

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ آپ اور ہم جو کچھ پڑھا رہے ہیں، ہم ایک حرف کسی کو پڑھائیں گے، اس کا ثواب خود بخود ہمارے اساتذہ کو پہنچے گا۔ ہم نیت نہ بھی کریں پھر بھی اس کا ثواب ان کو پہنچے گا، یعنی ہم اگر کسی استاد سے زیادہ ہی ناراض ہیں اور ہم نیت کر لیں کہ یا اللہ! اس کا ثواب ان کو نہ پہنچے، تب بھی ان کو پہنچ کر رہے گا۔ یہ تو ان کو اپنی محنت کا صلہ مل رہا ہے۔ لیکن ہمیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمیں فائدہ اس صورت میں ہوگا، جب ہم بالقصد اور بالارادہ

اخلاص اور محبت کے ساتھ اور پوری ایک ترتیب قائم کر کے ان کے لیے ایصال ثواب کریں گے۔ ہم یہ نیت کریں کہ ''اے اللہ! جو کچھ میں پڑھا رہا ہوں، جن اساتذہ کے طفیل مجھے یہ نعمت ملی ہے، میرے پڑھانے کا ثواب ان کو پہنچا اور ان کے لیے مجھے صدقہ جاریہ بنا! ان شاء اللہ، اللہ تعالی پڑھانے میں برکت عطا فرمائیں گے۔

ایک خطرناک کوتاہی:

ایک سب سے بڑی بیماری آج مدرسین میں یہ ملتی ہے کہ اگر اس کے کئی اساتذہ ہیں، کچھ تو وہ ہیں جن سے اس نے شروع میں ناظرہ قرآن پاک پڑھا۔ کئی وہ ہیں جن سے حفظ کیا۔ بعض وہ ہیں جن سے ابتدائی چند کتابیں پڑھیں۔ کچھ وہ ہیں جن کے پاس اس نے دورہ حدیث کر لیا ....دیکھا یہ جاتا ہے کہ جو اساتذہ تدریس کرتے کرتے دورہ حدیث کی جماعت تک پہنچ جاتے ہیں یا دیگر بڑے مناصب کے مالک ہو جاتے ہیں، ان کے کبھی وہم وگمان میں بھی نہیں آتا کہ ہمارے ایسے بھی استاد ہیں جنہوں نے شروع میں ہماری انگلی پکڑ کر ان اداروں کا رخ کرایا تھا۔ چنانچہ میں اپنے طلبہ کو بھی یہ تلقین کیا کرتا ہوں اور اساتذہ سے بھی یہ درخواست کیا کرتا ہوں کہ اپنے کام میں برکت، رونق اور ترقی چاہتے ہو تو ان اساتذہ کو خاص طور پر ملنے جایا کرو جو آپ کے بالکل ابتدائی اساتذہ ہیں، جنہوں نے آپ کو نورانی قاعدہ پڑھایا ہے، جنہوں نے آپ کو ناظرہ قرآن پاک پڑھایا، جن کے پاس آپ نے چند سپارے حفظ کیے۔ اس لیے کہ بڑوں کو تو ہر کوئی ملنے جاتا ہی ہے۔ کسی استاد کو چھوٹا سمجھنے سے ہمیشہ بچیے، بلکہ ڈرتے رہو کہ اس کے شدید نقصانات ہیں۔ شیطان یہ وسوسے ذہن میں ڈالتا رہتا ہے کہ بھئی! وہ تو ابتدائی استاد ہیں ان کو کیا ملنا؟ بڑوں سے تعلق رکھنے کے جو منافع تو سامنے نظر آتے ہیں لیکن جو چھوٹے اساتذہ سے تعلق رکھنے میں فوائد ہیں، وہ مخفی مگر بہت قوی ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی استاد کو کبھی چھوٹا نہ سمجھیں۔

[ایک عجیب بات ملاحظہ فرمایئے کہ اپنے ایک بیان میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا تھا: جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اللہ مجھ سے کسی کی غیبت کرنے پر باز پرس

نہ فرمائیں گے۔ اسی طرح میں بھی کہتا ہوں اللہ مجھ سے میرے اساتذہ کے حوالے سے حساب نہ فرمائیں گے۔ ان کی حقوق تلفی کے بابت نہ ہی دل میں ان کی بے ادبی کا خیال لانے پر۔ سبحان اللہ۔ مرتب عفا اللہ عنہ]

عبرت آموز قصہ:

اس حوالے سے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن .... صدر المدرسین، مظاہر العلوم .... نے اپنا واقعہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں اپنے علاقے کی سطح کی تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم پانے کے لیے غالباً دیوبند، بڑے اساتذہ کے پاس گیا۔ لکھتے ہیں کہ میں بڑے شوق کے ساتھ گیا تھا۔ بڑے جذبات کے ساتھ گیا تھا۔ جانے سے پہلے میں اکثر استادوں سے مل کر بھی گیا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ میرے والدین نے مجبور کر کے پڑھنے کے لیے بھیجا ہو، میں شوق سے پڑھنے کے لیے گیا تھا۔ میں غبی بھی نہ تھا، ذہین اور استعداد کا مالک تھا۔ لیکن جب وہاں گیا، میں نے محسوس کیا کہ مجھے تمام راستے بند نظر آرہے ہیں۔ طبیعت میں بے چینی ہے۔ میں نے بڑا غور کیا، کئی دن تک سوچتا رہا۔ یہ جو میرے سامنے اندھیرا آیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ میرا یہ سب کچھ تاریک کیوں ہو گیا؟ کہتے ہیں، بہت کچھ سوچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ میرا ذہن منتقل ہوا کہ جب میں اپنی جگہ سے چلا تھا، میں نے تمام مشہور اساتذہ سے تو مل لیا تھا، مگر میرے جو فلاں استاد تھے، میں ان سے مل کر نہیں آیا ہوں۔ میرے دل نے بھی گواہی دی کہ یہی بات ہو سکتی ہے۔

چونکہ ان دنوں سفر کڑا اور آنا جانا بہت مشکل تھا۔ فرماتے ہیں: میں نے اسی وقت ایک خط لیا اور جوابی لفافے کے ساتھ ان استاد صاحب کو لکھا کہ میں اس طرح وہاں سے آیا تھا۔ سب سے مل کر آیا تھا، مگر میری کوتاہی کہ آپ سے نہ مل سکا۔ یہاں پر آکر میری صورت حال یہ ہے کہ علم و عمل کے تمام راستے بند نظر آرہے ہیں۔ یہ آفت اسی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ آپ خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیں۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔ میں جب بھی آؤں گا، سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ آپ مجھے معاف فرما دیں۔ فرماتے ہیں: وہ خط لکھنے کے

بعد ہوسکتا ہے وہ خط ابھی پہنچا بھی نہ ہو، دل کی وہ کیفیت چھٹنا شروع ہوگئی۔ جو انتشار تھا، وہ ختم ہوگیا۔ اب دلجمعی پیدا ہوگئی۔ پڑھنے کی طرف رغبت پیدا ہوگئی۔ ماحول کے ساتھ مجھے انس پیدا ہوگیا اور کتاب مجھے سمجھ آنے لگی....

کچھ دن بعد ان استاد جی کا جوابی خط آیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ ''آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ مجھے بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ فلاں جگہ پڑھنے کے لیے چلے گئے ہیں، لیکن آپ مجھے مل کر نہیں گئے تھے، میں نے سمجھا شاید مجھے چھوٹا سمجھ کر ملنے نہ آئے ہوں۔ لیکن اب میں پوری طرح آپ سے خوش ہوں، راضی ہوں۔ اس کے بعد دعائیں لکھیں کہ اللہ پاک آپ کو عالم باعمل بنائے اور آپ سے دین کی خدمت لے۔''☆

یہ کونسی ایسی بات تھی؟ کسی استاد کی توہین نہیں کی تھی، کسی استاد کو گالی نہیں دی تھی، کسی استاد پر اعتراض نہیں کیا تھا، کسی پر تنقید نہیں کی تھی۔ ایک تھوڑی سی غفلت اور سستی یہ ہوئی کہ چلتے وقت ان استاد کو مل کر نہیں گئے۔ وہ اپنا مشاہدہ اور تجربہ پوری امت کو دے گئے ہیں کہ اس کے بھی کتنے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ سے اللہ نے جو علمی خدمات لی ہیں، وہ رہتی دنیا تک کے لیے کارآمد ہیں۔

ذرا اس پر بھی غور کریں کہ کیا ہمارا اپنے اساتذہ کے ساتھ تعلق قائم ہے؟ اگر انہوں نے پڑھائی کے دوران کسی قسم کی کوئی سختی کی ہے، ہم نے ان کو دل سے معاف کر کے ان کے لیے تنقید کے راستے بند کر دیے ہیں یا نہیں؟ ان کی عظمت ہمارے دل میں پہلے سے زیادہ ہے یا کم ہے؟ ان میں سے ہر ہر چیز کا اثر تعلیم پر ظاہر ہوتا ہے۔ عمل میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ درسگاہ میں بھی عیاں ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے بڑوں کے واقعات بھی سنے ہیں۔

اس موقع پر منتظمین سے درخواست کروں گا کہ ایسے اساتذہ جو ذاتی کوشش سے... چلتے پھرتے... تدریس کی تلاش میں آتے ہیں، ان کے بارے میں اس حوالے سے بھی تحقیق کر لیا کریں کہ ان کے اپنے اساتذہ سے روابط کیسے ہیں؟ کہاں سے پڑھا ہے؟ اس کا خصوصی تعلق

☆ آداب المتعلمین: 31، مولانا سید صدیق احمد باندوی رحمہ اللہ

کس کے ساتھ ہے؟ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایسا استاد حقوق کی ادائیگی کی پوری کوشش کرے گا۔ وہ لگن اور استقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا۔ اس کا استاد وقتاً فوقتاً اسے تنبیہ کرتا رہے گا:

''ڈھنگ کا پڑھو اور پڑھاؤ! جگہ وغیرہ بدلنے میں تمہارا نقصان ہے، کوئی فائدہ نہیں! وغیرہ۔''

☆☆☆

محاسبے کا اہتمام

ہمارے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک نصیحت یہ فرمایا کرتے تھے:

''ضروری نہیں کہ سال کے بعد ہی حساب کرنا ہے۔تاجر اپنے حساب کو سال پر نہیں رکھتا، بلکہ وہ ہر شام کو حساب کرتا ہے۔ان کے پاس ایسا نظام ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ روز کا حساب روز ہی چکا دیتے ہیں۔اسی چیز کو وہ اپنی کامیابی کا راز سمجھتے ہیں۔آج دن میں کس قدر فروخت ہوئی ہے؟ کتنا پیسہ آیا اور کتنا خرچ ہوا؟

لٰہذا جب آپ رات کو سونے کے لیے لیٹیں تو مراقبے کا خصوصی اہتمام کریں۔یہ بہترین وقت ہوتا ہے، تنہائی ہوتی ہے، یکسوئی ہوتی ہے۔اس وقت آپ دن بھر کے تمام کام اور آج کا دن جیسا گزرا ہے.....اس کو آپ اپنے ذہن میں لانا شروع کریں۔ سوچیں آج میں وقت پر درس گاہ گیا یا نہیں؟ اگر گیا تو اچھی بات ہے، تاخیر سے پہنچا تو اس کو اپنے آپ سے گرفت کرے کہ مجھ سے آج سب سے پہلی اور بہت بڑی غلطی یہ ہوئی ہے۔اس پر وہیں لیٹے لیٹے استغفار کریں اور نیز اللہ تعالی سے عہد کریں، ان شاء اللہ! آئندہ میں درسگاہ میں وقت پر جاؤں گا۔اس کے بعد اور آگے بڑھیں۔پھر سوچیں کہ آج میری درسگاہ میں کتنے بچوں نے سبق نہیں سنایا؟ اس مقصد کے لیے آپ مختلف جائزہ فارم تیار کر سکتے ہیں۔انتظامی لحاظ سے آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

یہاں ایک بات منتظمین کو خبردار کرنے لیے عرض کرتا ہوں کہ بعض مدرسین اپنے منتظمین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کتنی مہارت سے کام لیتے ہیں؟ یہ میں سمجھتا ہوں.....ایک ناظم جتنے بھی بڑے نظام بنا لے، کاپیاں بنا لے، انہوں نے اپنا کام کر دکھانا ہے۔جس طرح ہمارے ہاں ٹیکسوں کا نظام چل رہا ہے، گورنمنٹ کوئی قانون بناتی ہے۔تاجر اس کا توڑ نکال

لیتا ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں نہایت مستعدی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

تاہم مدرسین ذہن میں رکھیں کہ یہ تو سراسر آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ آپ کی نیت کی اصلاح ہوگئی تو آپ سوچیں گے کہ میں نے اللہ تعالی کی رضا کے لیے پڑھانا ہے، پھر آپ کے ذہن میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ مجھے کون دیکھ رہا ہے؟ مجھے کون پوچھنے والا ہے؟ آپ سارا دن اپنے کام میں مگن رہیں گے۔

پھر یہ محاسبہ کریں آج کتنے بچے ایسے ہیں جن کا میں نے سبق نہیں سنا؟ حساب کتاب کا یہ ایسا کمپیوٹر اللہ نے آپ کو دیا ہوا ہے جسے آپ کو خریدنے کی ضرورت نہیں، اللہ نے مفت میں آپ کو دیا ہوا ہے۔ آپ کو اللہ نے ایک مفت میں جج بھی عطا کیا ہوا ہے، جو فیصلہ کرتا ہے کہ تیرا یہ کام غلط ہوا ہے اور یہ کام صحیح ہوا ہے۔ کوئی کام بھی آپ اپنے دل پر پیش کریں، وہ آپ کو فوراً فیصلہ کر کے دے گا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ آپ کو کسی کے پاس فتویٰ لینے جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

بہرکیف! مراقبہ اسی چیز کا نام ہے۔ یہ جو بزرگ اور شیوخ مراقبہ کراتے ہیں، وہ اسی چیز کا کراتے ہیں۔ وہ رات دن کے تمام کاموں کو رات کو بیٹھ کر سوچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ آج میرا پاؤں کس طرف چلا، کس نیت سے چلا؟ آج میرا ہاتھ کس طرف بڑھا، کس نیت سے بڑھا؟ آج میری آنکھ کدھر استعمال ہوئی، کس نیت سے استعمال ہوئی؟ آج میرے کانوں نے کیا سنا، غلط تھا یا صحیح؟ آج میرے دل میں کیا کیا تفکرات آئے؟ میری سوچ کا محور آج کیا رہا ہے؟ آپ اپنی زندگی کو اس پر لے آئیں۔ اسی بات کی نصیحت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے: ''حَاسِبُوْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا''، ''اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، تمہارا حساب کیا جائے، خود ہی اپنا حساب کرو۔'' پھر فرمایا: ''فَاِنَّہٗ اَیْسَرُ لِحِسَابِکُم''، ''اس سے خدا کے حضور حساب میں آسانی رہے گی۔''☆

یہ خود احتسابی چاہے تمہاری درسگاہ سے متعلق کیوں نہ ہو، تمہاری نجی زندگی سے متعلق کیوں نہ، ہو تمہارے مالی معاملات سے متعلق کیوں نہ ہو، تمہارا اللہ کے ساتھ جو تعلق ہے، اس

☆الزهد والرقاق، لابن المبارك رحمه الله : 103/1، دارالكتب العلميه

کے بارے میں اپنا محاسبہ خود کرو۔ ان شاء اللہ، اللہ کی ذات سے امید ہے تمہاری دنیا بھی اچھی ہوگی اور آخرت بھی اچھی ہوگی اور ان شاء اللہ العزیز عزت کے راستے تمہارے لیے کھلے ہوئے ہوں گے۔ جب آپ ان خطوط پر آجائیں گے، میں سمجھتا ہوں آپ کے اوپر جو نگران مقرر ہیں، کام دیکھنے والے یا دفتری کارروائی کے لیے جو رجسٹر بنے ہوئے ہیں، یہ سب کام ختم ہوجائے گا۔ آپ کے منتظمین بھی بے فکر ہوجائیں گے ۔ان کا کام بہت حد تک آسان ہوجائے گا۔

ہمارے پرانے بزرگ حضرات کے کام کی نگرانی کرنے کے لیے کوئی نظام نہیں تھا۔ وہ کس وقت آتے ہیں اور انہوں نے سارا دن کیا کیا ہے؟ کس کی منزل سنی، کس کا سبقی پارہ سنا، اس مقصد کے لیے ان کے اوپر کسی نگرانی کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ایک مدرّس، کامل مدرس تھا۔ ان کو خود ہی ان سب چیزوں کی فکر ہوتی تھی۔ان کے دل میں سچا درد اور حقیقی خوف خدا تھا۔ یہ بچے میرے پاس قوم کی امانت ہیں۔ اگر میں نے اس امانت میں خیانت کی تو میں ان کا بھی ذمہ دار ہوں اور اللہ کے سامنے بھی جواب دہ ہوں۔ ان کا ایک مشن تھا۔اس عہد کے ساتھ اور اس جذبہ کے ساتھ وہ آگے بڑھتے رہے۔

☆☆☆

منتظمین کی خدمت میں!

نفع ونقصان کا حساب رکھیں:

میں اپنے مدرسے کے مدرسین سے اکثر یہ بات کہا کرتا ہوں کہ ہم بڑے فخر کے ساتھ ہر سال یہ اعلان کرتے ہیں۔اس سال ہمارے مدرسے سے اتنے بچے فارغ ہورہے ہیں اور اس سال اتنے فارغ ہورہے ہیں۔فلاں شعبہ سے اتنے فارغ ہو رہے ہیں اور فلاں سے اتنے۔میں کہتا ہوں، یہ تو اللہ کا انعام ہے، کرم ہے۔اس پر تو اللہ کی ذات سے امید ہے ان شاء اللہ وہ ثواب دے گا،لیکن ہر مدرس اپنی ایک ایسی فہرست بنا کر لائے جس میں ہر اس بچے کا نام لکھے جو اس کے پاس داخل ہوا،لیکن وہ اس کے پاس تکمیل نہیں کر سکا۔وہ درمیان میں چھوڑ کر چلا گیا۔بلکہ ایک وقت میں تو میں نے اساتذہ کو اس چیز کا پابند کیا تھا کہ وہ ایسی فہرست بنا کر ڈیسک پر اپنے سامنے رکھیں۔اس فہرست میں بچے کا نام، ولدیت، مکمل پتہ، مقیم ہے یا شہری اور کتنے سپارے پڑھ کر گیا؟ اور یہ کہ وہ کس وجہ سے چھوڑ گیا؟ اس بات کی تفتیش منتظمین کریں ورنہ استاد کبھی نہیں لکھے گا، کبھی نہیں بتائے گا، تحقیق کر کے لکھیں کہ فلاں بچہ کس وجہ سے گیا اور فلاں اس وجہ سے گیا ہے۔ایک فہرست انفرادی طور پر ہر درجے کی بنے۔پھر اس فہرست کو سلسلہ وار پورا سال لے کر چلا جائے۔سال کے آخر میں تمام اساتذہ کی وہ فہرستیں اکٹھی کر کے اس کے مجموعے کا جائزہ لیا جائے کہ ایک سال میں کتنے بچے ہیں جو داخل ہوئے اور نا کام چلے گئے؟ ساتھ ہی اس کا تجزیہ بھی کریں کہ وہ کس وجہ سے گئے؟

میں مزید یہ بھی کہوں گا کہ ادارے والے بھی ایسی فہرستیں بنا کر رکھیں کہ کتنوں نے داخلہ لیا تھا؟ کتنے کامل ہو کر گئے؟ اور کتنے درمیان میں تعلیم چھوڑ کر چلے گئے؟ یہ خاکہ بھی بنائیں کہ کس کس استاد سے کتنے بچے گئے؟ اس کے بعد اس بات کا نوٹس لیں کہ کس وجہ سے یہ بچے چلے

گئے؟ مدرسے کی سطح پر بھی یہ ترتیب قائم ہونی چاہیے اور استاد کو اپنے طور پر بھی یہ نظم بنانا چاہیے۔ اس سے ہمیں محاسبہ کرنے میں مدد ملے گی۔ ہم صرف یہی نہ سوچتے رہ جائیں کہ اتنے بچے ہم سے فارغ التحصیل ہوگئے، بلکہ ہمیں ہر وقت اس مواخذے کا خوف بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اگر اللہ نے پوچھ لیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ یا کسی طالبِ علم نے اللہ کے حضور ہماری یہ شکایت کردی کہ میری گمراہی میں، میرے فلاں استاد کا دخل ہے۔ تو ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے؟ یہ صورت حال کس قدر سنگین ہے؟ کبھی کبھی بیٹھ کر اس پر غور کیا کریں۔ نامعلوم وہ یہاں سے متنفر ہو کر گمراہی کے کس گڑھے میں گرا ہے۔ اس کی وجہ سے آگے کتنوں کا ذہن یہ بنا کہ مدارس میں اپنے بچوں کو نہ بھیجیں، میں نے توبہ کرلی ہے۔ اس کی باتیں سن کر کتنے لوگ ایسے ہوں گے جو مدارس میں اپنے بچوں کو بھیجنا پسند نہیں کریں گے۔ اس پر مسلسل غور کیا جائے کہ ہماری اس کوتاہی کی وجہ سے کتنا شدید نقصان سامنے آیا ہے۔ جب ایک مدرس کے دل میں درد ہوگا اور اپنے منصب کی لگن اس کے دل میں جاگزیں ہوگی تو انتظامیہ کی طرف سے ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ مدرس خود اپنا محاسبہ کرے گا۔

بہر حال! اس چیز کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ اس بات کے اہتمام کو لازم پکڑا جائے۔ جو طلبہ آپ سے مکمل پڑھ کر فارغ ہو رہے ہیں، ان کی فہرست الگ بنا کر رکھیں اور جو تعلیم ادھوری چھوڑ کر کسی وجہ سے چلے گئے ہیں، ان کا رجسٹر علیحدہ بنائیں۔ اس کا موازنہ کریں، ان کو دیکھیں اور پھر نفع ونقصان کا حساب کریں۔ میں نے کتنا نفع کمایا ہے اور کتنا میرا نقصان ہوا ہے؟ یہ بھی بہت بڑی تجارت ہے جو آپ کر رہے ہیں۔ تجارت صرف مال کی نہیں ہوتی، اعمال کی بھی بہت بڑی تجارت ہوتی ہے اور وہ یہی ہے جو آپ کر رہے ہیں۔

مشورے کا اہتمام کریں:

بہت سے مدارس میں جانا ہوتا ہے تو مدرسین، منتظمین اور مہتمم حضرات کی آپس کی رنجشیں سننے کو ملتی ہیں۔ اس کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں۔ میرے خیال میں ایسا عموماً ان تین قسم کے افراد کا باہم مل بیٹھنے کی کمی کے نتیجے میں سامنے آتا ہے۔ اگر ہر معاملے میں ایک دوسرے کی

رائے سنی جائے۔ رائے کا احترام پیش نظر رکھا جائے۔ ہر ایک کو اس کا مقام اور عزت واحترام دیا جائے تو کبھی بھی ناگوار صورتِ حال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک خصوصی وصف یہ بھی بیان فرمایا کہ ان کے تمام امور باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔ فرمایا: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" [الشوریٰ: 38] یہ نظم وضبط کی بہت بڑی پالیسی ہمیں عطا فرمادی گئی ہے۔ اسی پر اسلامی مملکت کی بنیاد اٹھائی گئی ہے۔ اگر حکومتیں اس ایک اصول پر چلتی رہی ہیں اور چل رہی ہیں تو ہمارا ایک مختصر سا مدرسہ کیوں ناکام ہے؟

باہمی مشاورت کے لیے ادارے کی سطح پر کوئی بھی ترتیب بنائی جاسکتی ہے۔ ہفتہ واری مجلس رکھ لی جائے یا ماہانہ یا جو بھی کسی کے لیے موزوں ہو۔ تاہم اس کی افادیت کے اثرات آپ ہر سطح پر محسوس کریں گے۔ اللہ تعالی کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ہمارے جامعہ میں کبھی کوئی اختلاف یا جھگڑے کی نوبت نہیں آئی۔ شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے اساتذہ ہر ہفتے ایک بار ضرور سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔ رمضان المبارک میں چونکہ کئی امور طے کرنے ہوتے ہیں ۔بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ اساتذہ ومنتظمین تراویح پڑھ کر بیٹھے اور سحری تک مختلف امور پر ان کی مشاورت چلتی رہی۔

ماتحتوں کے ساتھ رویہ کیسا ہو؟

یہ نکتہ بھی خصوصی توجہ کا محتاج ہے۔ لہجے میں کرخت پن، تحکمانہ انداز اور بے لچک حکم دے کر سو فیصد نتیجے کی توقع رکھنا ... یہ سلسلہ بھی ہماری ناچاقیوں کا ایک بڑا سبب ہے۔ ان تمام باتوں سے بچتے ہوئے ماتحتوں سے کام لیا جائے۔ ان کی قدم قدم پر حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس سے ان کی آپ کے ساتھ عقیدت ومحبت میں ڈھیروں اضافہ ہوگا۔ وہ خوشی سے سب کام بجالائیں گے۔

[مرتب یہاں مداخلت کرے گا کہ حضرت اقدس حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کا یہ معمول ہے کہ جب آپ کوئی اہم خدمت ذمے لگائیں۔ کسی پروگرام سے فارغ ہوں۔ کوئی انفرادی طور پر کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے ... ان سب صورتوں میں آپ باقاعدہ تمام

اساتذہ کرام اور طلبہ کو جمع فرما کر شکریے کے الفاظ کے ساتھ سب کی حوصلہ افزائی فرماتے اور شاباش سے نوازتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے ایک بیان کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

''طبیعت ناساز ہونے کے باعث حاضر ہونے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے چلا آیا۔ جو کام آپ لوگوں نے کیا ہے یہ اس قدر مشقت سے لبریز تھا کہ اسے چھیڑنے کا میرا فی الحال ارادہ ہی نہ تھا۔ مگر پھر اللہ کا نام لے کر شروع کیا تو بہت ہی عمدہ طریقے سے انجام پا گیا ہے۔ میرے نوجوانوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنات کی طرح کام کیا ہے۔ بلکہ یہ ان جنات سے بھی عظیم ہیں، کیونکہ وہ تو اس لیے کام میں مگن رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے ان کو دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ پھر جب لاٹھی ٹوٹ گئی اور پتہ چلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو عرصہ ہوا فوت ہو چکے تھے تو انہوں نے افسوس کیا اور کہا: اگر ہمیں پہلے معلوم ہو جاتا تو ہم اس مصیبت میں پھنسے نہ رہتے۔ ☆

مگر..... مجھے یقین ہے میری اس جماعت کو پتہ چلتا کہ ''قاری صاحب'' دنیا سے چلا گیا ہے، تو ان کے جذبات میں اور زیادہ اضافہ ہوتا۔ یہ پیچھے نہ ہٹتے۔ اس لیے کہ انہیں کوئی دنیاوی لالچ ہے نہ ہی وہ ڈنڈے کے ڈر سے کام کرنے والے ہیں۔ اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ جن طلبہ کو خدمت میں حصہ لینے کا موقع نہیں دیا گیا، ان کی درخواستوں کا ایک ڈھیر میرے پاس ہے۔ جس میں انہوں نے شکوہ بھی کیا ہے اور آئندہ شامل کرنے کی درخواست بھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیک نیتی کو قبول فرمائے۔''

(شوال 1431ھ، جامعہ ضیاء القرآن، ماڈل ٹاؤن، فیصل آباد میں طلبہ سے خطاب)

☆☆☆

☆معارف القرآن، للمفتی اعظم: 265/7

علم کی کمی کو پورا کرنا

حفظ کے مدرسین میں عموماً سادہ حافظ ہوتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں، جو مکمل عالم ہوں۔ ایسی صورت میں ان کا قرآن پاک کے حوالے سے ضروری مسائل جاننے کے علاوہ روز مرّہ زندگی میں پیش آنے والے جائز و ناجائز اور حلال وحرام سے متعلقہ مسائل سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ صرف سنی سنائی معلومات پر قناعت کرنا اور بس مدرس قرآن ہونے پر اکتفا کر کے بیٹھے رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ ایسے حضرات اپنی اس کمی کی تلافی بھی مناسب طریقے اپنا کر کر سکتے ہیں۔ تین باتیں بطور مشورہ پیش خدمت ہیں:

❁......ایک یہ کہ اپنی تدریسی ذمہ داری پوری کرنے کے بعد مدرسین کے پاس دن کے 3، 4 گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ وقت بچ رہتا ہے۔ ان کا یہ وقت کس مصرف میں استعمال ہوتا ہے؟ یہ اوقات مختلف بے کار مشغولیات کی نذر ہو جاتے ہیں۔ دوستیاں اور تعلقات قائم کرنے اور ان کو نبھانے کی فکر میں صرف ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار خرافات آج کل بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ لہٰذا ان اوقات کے لیے کوئی ایسا مصرف ہونا چاہیے، مثلاً: جس ادارے میں پڑھا رہے ہیں، وہیں پر کوئی کلاس ایسی شروع کی جائے، جس میں ان کے لیے کچھ تجوید، کچھ ترجمہ وتفسیر اور کچھ مسائل وغیرہ ترتیب دے ایک کورس تشکیل دے لیا جائے۔ اس سے ان کو جائز و ناجائز، حلال وحرام اور دینی تعلیم کا کافی حصہ حاصل ہو جائے گا، یہ شروع کیا جائے۔

❁......اگر انتظامیہ کے لیے یہ مشکل ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کے علم میں ہے مختلف قسم کے کورس مساجد میں شروع ہیں۔ مغرب سے عشاء تک، بعض عصر کے بعد، بعض عشا کے بعد۔ اس میں شرکت کریں۔ اس طرح آپ کے پاس علم کا ایک ذخیرہ جمع ہو جائے

گا۔علم کے اپنے انوارات ہوتے ہیں۔اس کے بعد اپنی زندگی کا رخ پلٹنے میں آپ کو مدد ملے گی۔اس کی آپ کوشش کریں۔

❁......تیسری صورت سب سے آسان اور ہر حال میں مفید ہے۔اسے غذا کی طرح اپنی عادت بنالینے کی ضرورت ہے۔وہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کی زندگیوں پر بے شمار سوانح لکھی گئی ہیں، ان کو اپنے مطالعے میں رکھیں۔حضرت قاری رحیم بخش صاحب کی ایک کتاب ''آداب تلاوت'' ہے، جس میں انہوں نے دیگر بہت سی چیزوں کے علاوہ مدرسین کے حوالے سے درج کیا ہے کہ ان میں کیا اوصاف ہونے چاہییں اور کن باتوں سے ان کو بچنا چاہیے۔نیز قراءت پڑھانے کا طریقہ وغیرہ بہت ساری چیزیں اس میں انہوں نے لکھی ہیں۔اسی طرح ایک کتاب **''آداب المتعلمین''** ہے۔حضرت مولانا صدیق احمد باندوی صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔اس میں طلبہ اور معلمین کے لیے بہت ساری ہدایات ہیں۔ان کتابوں کا مطالعہ آپ کے لیے انتہائی ضروری ہے۔جب آپ بزرگوں کے حالات پڑھیں گے ان شاء اللہ کام سے رغبت رہے گی، دل میں تقویت پیدا ہوگی اور اعمال میں پختگی آئے گی۔یہ بھی سامنے آئے گا کہ ہمارے ان حضرات نے کیسے کیسے حالات سے گزر کر دین کی خدمت کی ہے۔ان سب سے بڑھ کر حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فضائل اعمال'' ہے۔اس کو تو آپ لازماً مطالعے میں رکھیں۔اس میں نماز، درود شریف اور ذکر وغیرہ کے بہت سے فضائل مذکور ہیں۔ایسی چیزوں سے دل میں تقویت، انوارات اور جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے۔یہ نہ سوچیں کہ یہ تو تبلیغی جماعت کے لوگوں کی ہے۔ہمارا اس سے کیا تعلق؟

اسی طرح پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی ''آپ بیتی'' ہے۔اسے پڑھیے۔آپ کے لیے، آپ کے ادارے کے لیے اور آپ کے طلبہ کے لیے انتہائی مفید ہے۔خود لیں اور مطالعہ کریں۔بہت سے جواہر آپ کے ہاتھ آئیں گے۔اس کے ساتھ اگر آپ اپنا مطالعہ مزید وسیع کرنا چاہیں تو ''بہشتی زیور'' پڑھیں۔آپ بڑے عالم اور فقیہ ہو جائیں گے۔نیز ''اکابر کا تقویٰ'' اور ''فضائل صدقات'' نامی کتابیں بھی بہت مفید ہیں۔

بالکل آسان انداز میں مسائل سمجھنا چاہیں تو مشہور کتاب "تعلیم الاسلام" بہت مفید رہے گی۔ ان تمام کتب کو اپنے مطالعے میں رکھیں۔

یہ اس لیے عرض کیا کہ آپ کے پاس جتنا وقت ہوتا ہے، ان اوقات میں سے صرف ایک گھنٹہ بھی آپ کتاب کے مطالعے کے لیے وقف کر دیں تو آپ اپنی جگہ رہتے ہوئے بڑے عالم بن جائیں گے۔ عالم صرف اس کا نام نہیں کہ وہ باقاعدہ درس نظامی پڑھا ہوا ہو۔ اصل یہ ہے کہ جو کچھ علم میں آتا جائے زندگی کا جزو بنتا جائے۔ بسا اوقات درس نظامی مکمل کر کے بھی اس کا کوئی اثر عمل میں نمایاں نہیں ہوتا۔ ایسا شخص اصطلاحی عالم تو بن گیا ہے، مگر اس کا درجہ اس شخص سے کم ہے جو تھوڑا علم رکھتا ہے لیکن اس پر عمل کرتا ہے۔ جتنا علم آپ ان کتب میں سے سیکھ لیں، اللہ اس پر عمل کی بھی توفیق عطا کر دے تو یہ بہت بڑا خزانہ آپ کے پاس ہے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کو آپ اگرچہ زیادہ وقت نہ دیں، صرف 15 یا 20 منٹ مطالعے کے لیے نکالیں، مگر مسلسل اور مستقل مزاجی کے ساتھ... یہ آپ کی ضرورت کے لیے کافی وافی ہوں گے۔ یہ پڑھ کر آپ کو بزرگوں کے حالات معلوم ہوں گے۔ زندگی گزارنے کا طریقہ آئے گا۔ اس دور کے بہت سے فتنوں سے ہم... ان شاء اللہ... بچے رہیں گے۔ ہمارے دلوں کی حالت بڑی تیزی اور آسانی سے بدل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں ایک بالکل سیدھا راستہ عنایت فرمائیں گے۔ یہ تمام کتابیں تو مدرسین کے سرہانے رکھی ہونی چاہییں۔ جب وہ اکیلے ہوں تو کچھ سوچنے کے بجائے، ان میں سے جس کتاب کے لیے اس کا جی چاہ رہا ہو، اس کو کھولے، دیکھے، مطالعہ کرے اور سو جائے۔ بغیر کسی خاص مشقت کے مفت میں آپ کو بہت سا علم حاصل ہو جائے گا۔

نوافل کا اہتمام کرنا

ایک جگہ امتحان لینے کا موقع ملا۔ ایک بچے سے پوچھا: مغرب کی رکعتیں کتنی ہیں؟ اس نے کہا: پانچ۔ میں نے کہا: پانچ تو نہیں، ذرا سوچ کر بتاؤ۔ اس نے (سوچ کر) جواب دیا: پانچ ہی ہیں۔ بھلا کون سی؟ تین فرض اور دو سنت! اس سے پوچھا گیا: رکعتیں تو سات ہیں، پانچ کے ساتھ دو اور بھی ہیں، مگر آپ پانچ کیوں بتاتے ہیں؟ وہ کہتا ہے، جی! میں نے اپنے استاد کو ہمیشہ پانچ ہی پڑھتے دیکھا ہے۔

اس بچے نے سچ ہی کہا تھا۔ آج ہماری زندگی سے نوافل بالکل نکل گئے ہیں۔ جو نوافل فرض نمازوں سے ہٹ کر ہیں، ان کا تو خیر سوال ہی نہیں، جو فرض نمازوں کے ساتھ ملے ہوئے نوافل ہیں وہ بھی ہماری زندگی سے بالکل ہی خارج ہو گئے ہیں۔ نوافل کی پابندی کی حکمت علمائے کرام نے یہ لکھی ہے کہ

''جس کے دل سے نوافل کا اہتمام نکل جاتا ہے، سنتوں کی قدر بھی اس کے دل میں نہیں رہتی۔ پھر جو سنت چھوڑ دیتا ہے، فرض چھوڑنا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں رہتا۔''

فرضوں کا اہتمام جس کی زندگی سے نکل گیا، وہ تباہی کے گڑھے میں گرنے کے لیے بالکل کنارے پر آن کھڑا ہوا ہے۔ اس کا گڑھے میں گر جانا یقینی ہے۔ اس لیے اگر ہم فرائض کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو سنتوں کا اہتمام کریں۔ سنتوں کو برقرار رکھنے کے لیے نوافل کو کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ اگر ہم اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بھی نوافل کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سنیے، فرمایا:

أشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ القرآنِ، و أصحابُ اللّيلِ. (الترغيب و الترهيب: 243/1،

☆ انتخاب الترغیب والترہیب: 74/2، از: محمد عبداللہ دہلوی، میر محمد کتب خانہ

دارالکتب العلمیة، بیروت)

''میری امت کے معزز لوگ اور اس امت کے شرفا قرآن والے ہیں۔ حاملین قرآن ہیں۔'' لیکن اس سے بھی زیادہ قابل غور بات اس سے اگلے الفاظ میں ہے۔

فرمایا: ''وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ.''

یعنی ''رات کو اٹھنے والے۔'' ہم حاملینِ قرآن ذرا غور کریں، کیا ہم میں بھی کوئی صاحب اللیل ہے؟ رات کو اٹھ کر اللہ کے سامنے رونے والے! اپنے بچوں کے لیے اللہ سے مانگنے والے!

ایک آیت پاک میں یہ آیا ہے:

''ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ.'' [فاطر:32]

''پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا، جنہیں نے اپنے بندوں میں سے بطور خاص چن لیا تھا۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں، جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔''

بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے جو صاحب قرآن (قرآن پاک کا حافظ یا کسی اور حوالے سے قرآن کی مشغولیت رکھنے والا) صبح کو اٹھ کر تہجد میں اللہ سے ہم کلام نہیں ہوتا، ''ظالم النفس'' سے وہی مراد ہے۔

تہجد کے بارے میں تو میں سمجھتا ہوں اس کا حکم تو ہے ہی حفاظ کے لیے۔ جن کو اللہ نے قرآن پاک دیا ہے، انہی کو صبح کے وقت میں کھڑے ہو کر تلاوت کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالی شانہ کا ارشاد ہے: اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً.'' [بنی اسرائیل:78] ''یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں (فرشتوں کا) مجمع حاضر ہوتا ہے۔'' جی ہاں! فجر کی تلاوت فرمایا، عصر کی نہیں۔ حقیقت یہ ہے صبح کے وقت میں تلاوت کا جو لطف آتا ہے اور کسی وقت میں نہیں آتا۔ یوں پڑھنے والے کو فرشتوں کے نازل ہونے کا واقعی احساس ہوتا ہے۔ ☆

دوسری جگہ پر فرمایا: ''قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا'' [المزمل:2] ''رات کا تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر باقی

☆تفسیر ابن کثیر (اردو): 212

رات میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو جایا کرو۔"

تیسری جگہ ارشاد ہے:"اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِیْلًا"[المزمل:6]

"بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔"

ایک اور مقام پر ہے:"وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا"[الدھر:26]

"اور کچھ رات کو بھی اس کے آگے سجدے کیا کرو، اور رات کے لمبے وقت میں اس کی تسبیح کرو۔"

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات حاملین قرآن اور معلمین قرآن کو اپنے منصب کے تقاضے کی طرف متوجہ کر رہی رہیں۔

دن کے اوقات میں باقی مصروفیات کے ساتھ ساتھ دو رکعت نفل اشراق کے لیے وقت نکالنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر اللہ کے ساتھ تعلق ہوگا تو مدرس یہ چاہے گا کہ اس وقت میں جہاں اور کام کروں، ناشتہ وغیرہ کروں جلدی جلدی وضو کر کے دو نفل اشراق کے بھی پڑھ لوں۔ یہی وقت عموماً درس گاہ میں پہنچنے کا ہوتا ہے۔ ہم اشراق پڑھ کر اللہ سے مانگ کر اور یہ دعا کرتے ہوئے درسگاہ میں آکر بیٹھیں کہ "اے اللہ! میں درسگاہ میں جا رہا ہوں، میری مدد فرما! میرے ذہن اور سینے کو کشادہ فرما! اس کام کی جو گتھیاں ہیں، وہ میرے لیے کھول! تاکہ میں طلبہ کی صحیح طریقے سے خدمت کر سکوں۔"

آج مدرسین رزق کی تنگی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر واقعتاً شکار نہ ہوں تو شاکی ضرور ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں ہمیں شاکر ہی ہونا چاہیے۔ بہر حال! اس تنگی کا علاج بھی نوافل میں موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اللہ عزوجل فرماتا ہے اے ابن آدم! تو شروع دن میں چار رکعتیں ادا کرنے سے عاجز نہ ہو، میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا۔"☆

☆السنن الکبری، رقم: 468، 177/1

اس لیے کہ یہ وقت عین کاروبار کا ہوتا ہے۔ لوگ دکانوں کی طرف بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ مگر جو وقت نکال کر اللہ کے سامنے پیشانی رکھتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے رزق کے دروازے اور وسیع فرما دیتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں بڑے اونچے کام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ نہ معلوم کتنی قسم کی کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں۔ اس لیے مدرس کے لیے توبہ واستغفار بہت ضروری ہے۔ آپ نوافل ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ سے توبہ واستغفار کر کے اس عظیم کام کے دوران ہونے والی کمی کوتاہی کا ازالہ کر سکتے ہیں۔

مدرسین کی ایک بڑی تعداد سنتوں کے حوالے سے کوتاہی کا شکار رہتی ہے۔ ایسے حضرات کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہم صبح سے پڑھا رہے ہیں۔ اس وقت تھکاوٹ کی وجہ سے سستی ہو جاتی ہے۔ سنتوں اور نوافل کا اہتمام نہ کرنے والوں نے فقہائے کرام کا بیان کیا ہوا یہ جزیہ یاد کر رکھا ہے:

"جو قرآن پاک پڑھنے، پڑھانے، دین کی سمجھ حاصل کرنے اور دین سکھانے میں اس طور پر مشغول ہے کہ اسے نفل پڑھنے کی فرصت نہیں ملتی تو اس کے لیے نفل چھوڑنے کی گنجائش ہے۔"☆

لیکن اس مدرس کے پاس صبح سے شام تک اگر وقت نہیں ہے تو صرف پڑھانے کے لیے نہیں ہے۔ باقی ہر چیز کے لیے اس کے پاس وقت ہے.... تو کیا اس کے لیے نفل چھوڑنے کی گنجائش ہو سکتی ہے؟ اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں!

☆☆☆

☆فی الشامية: ولذا يتركها لو خاف فوت الجماعة، وأفاد ط أنه ينبغي أن يكون القاضي وطالب العلم كذلك، لاسيما المدرس. أقول في المدرس نظر، بخلاف الطالب اذا خاف فوت الدرس أو بعضه. تأمل. (ردالمحتار: 15/2، ایچ، ایم، سعید.... كذا في الهندية: 112/2)

تہجد، استغفار، ذکر اور درود پاک کا التزام

مدرس کے ذاتی اعمال کے اثرات اس کی پڑھائی پر پڑتے ہیں۔ اگر اعمال درست ہیں، نیکی تقویٰ کا خصوصی اہتمام ہے تو اس کے اثرات درسگاہ اور بچوں پر ضرور پڑیں گے۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہے تو اثرات بھی ویسے مرتب ہوں گے۔ ایک وہ مدرس ہے جو صبح اٹھتا ہے، تہجد پڑھتا ہے، اس وقت میں اللہ کے سامنے یہ التجا کرتا ہے:

''اے اللہ! یہ کام آپ نے اپنے فضل سے میرے سپرد کیا ہے، میں تو اس کا اہل نہیں تھا، نہ مجھ میں صلاحیت ہے۔ اے اللہ! تو مجھے صلاحیت بھی عطا فرما۔ مجھے شیطانی وساوس سے بھی محفوظ فرما۔ اے اللہ! پورا دن مجھے اخلاصِ نیت کے ساتھ، پوری قوت اور ہمت ان بچوں پر صرف کرنے کی توفیق نصیب فرما!''

صبح کو رو رو کر تہجد میں اللہ کے سامنے یہ التجا کرے۔ اس کے بعد تیاری کر کے وقت پر درسگاہ میں آئے۔ پورا دن صحیح گزارے اور رات کو اللہ سے استغفار کرے، یہ مدرس کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ بڑے عظیم الشان کام کے لیے اللہ نے آپ کو منتخب فرمایا ہے۔ نہ معلوم کتنی قسم کی کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں۔ ہم توبہ واستغفار کر کے ان کا ازالہ ساتھ ساتھ کر سکتے ہیں۔

یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلاۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفاًمِّنَ اللَّیلِ ،اِنَّ الحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ[ھود:114]﴾

''اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

استغفار کی یہ کثرت کس قدر اہم ہے؟ ایک اور حدیث پاک میں اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ، لَوْلَمْ تَذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ ، فَیَغْفِرُلَهُمْ . (صحیح المسلم 355/2، قدیمی کتب خانه)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم گناہ کرو گے (اور اس پر استغفار بھی نہ کرو گے) تو اللہ تمہیں فنا کر کے ایسی قوم کو وجود بخشے گا جو گناہ کریں تو استغفار بھی کریں گے، اور اللہ ان کی مغفرت کر دے گا۔''

اگر مدرس اپنی یہ عادت بنالے کہ رات کو محاسبہ کا عمل کر کے سوئے گا کہ آج مجھ سے یہ غلطیاں ہوئی ہیں۔ پھر ان پر نادم ہو کر ایک تسبیح اس وقت استغفار کی کر لے.... استغفر اللہ، استغفر اللہ .... دل میں غلطیوں میں سے ہر ایک پر استغفار کرتا جائے۔ اللہ سے عہد کرے کہ آئندہ مجھ سے یہ غلطی نہیں ہوگی۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ توبہ کے تین ارکان ہیں: ایک، گناہ سے فوری طور پر الگ ہو جانا۔ دوسرے، جو کچھ ہو چکا اس پر دلی شرمندگی ہو اور تیسرے، اس بات کا پختہ عزم کہ آئندہ اس گناہ کے قریب نہیں پھٹکے گا۔''☆

اس طرح پر وہ استغفار کرے گا تو اللہ تعالی سے امید ہے کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ... ان شاء اللہ اس کے معمولات سنورنے لگیں گے۔ قانون کی پابندی اور پاسداری آسان ہو جائے گی۔ کام میں برکات اور ترقیات واضح محسوس کرے گا۔

مگر جس کو یہ احساس ہی نہیں ہے کہ آج سارا دن میرا کیسے گزرا۔ اس پر کبھی غور ہی نہ کرے تو اب مدرس چاہے 20 سال بھی پڑھاتا رہے تو کبھی درست رخ پر چل سکے گا نہ ہی مطلوبہ فوائد وثمرات مل پائیں گے۔ یہ بہت بڑے خسارے کی بات ہے۔

اسی طرح پر ذکر کا اہتمام بھی ہماری زندگیوں سے جاتا رہا۔ ہمارے حضرت مفتی عبدالستار

☆أن لها [التوبة] ثلاثة أركان : الاقلاع، والندم علی فعل تلك المعصية، والعزم علی أن لايعود عليها. (شرح صحيح المسلم للامام النووی: 354/2، قديمی)

صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر مجلس میں اس کا رونا روتے تھے کہ عوام الناس تو اس کا خیال کرتے ہیں، مگر آج کے علما، حفاظ اور قراذ کر سے اتنا دور ہو گئے ہیں کہ وہ ذکر کرنے کو گویا اپنی توہین سمجھتے ہیں، فرماتے تھے کہ میں نے ایک بہت پرانے مدرس سے سوال کیا کہ ہر روز کتنا درود شریف پڑھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جو نماز میں ہے، وہی پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں پڑھتا۔ اس کا جواب سن کر حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ پتہ نہیں میری زبان سے کتنی مرتبہ بے ساختہ "اِنا للّٰہ و انا اِلیہ راجعون" نکلا کہ اتنے بڑے مدرس اور ان کا یہ جواب! کیا اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا ہی تعلق ہے کہ وہ صرف ایک ضروری درود شریف جو نماز والا ہے وہی پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ کتنے ہیں جن کو اس کی توفیق نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کے طفیل ہی تو ہمیں یہ نسبت حاصل ہو رہی ہے۔ اگر ہم ایک تسبیح درود شریف کی روزانہ پڑھ لیا کریں تو ہمارا ان کی ذات پر کوئی احسان نہیں ہوگا۔ یہ تو اللہ کی توفیق ہوگی اور ہمارا اپنا فرض۔ یہ بہت ہی آسان عمل ہے۔ درود شریف کثرت سے پڑھنے والے کے لیے رزق کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اس کے کاموں میں آسانی ہو جاتی ہے۔ درود شریف، ذکر، استغفار اور تیسرے کلمے کی تسبیح "سُبحانَ اللّٰہ والحمدُ لِلّٰہِ ولا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبرُ، وَلاحَولَ وَلاقُوّۃَ اِلّا بِاللّٰہِ العَظِیم" پڑھنے والا شیطان کے وساوس سے محفوظ رہتا ہے۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے: ''جس نے روزانہ سو دفعہ "سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ" کہا اس کے قصور معاف کر دیے جائیں گے، اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔'' ☆
لہٰذا پابندی اور التزام کے ساتھ اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

☆☆☆

☆ معارف الحدیث: 51/5

اصلاحی تعلق قائم کرنا

اگر آپ کا تعلق کسی شیخ کے ساتھ ابھی تک نہیں ہے تو کسی اللہ والے سے اپنا تعلق جوڑ لیں۔ اُن کی ہدایات کے مطابق چلنے کی کوشش کریں۔ اس سے آپ میں مان کر چلنے کی ایک عادت پیدا ہو جائے گی۔ مسلسل لگے رہنے سے جب عادت پختہ ہو جائے گی تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ شریعت پر چلنا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلنا بھی آسان ہو جائے گا۔

ہمارے جتنے بھی اکابر گزرے ہیں، ان کا اپنے زمانے کے اہل اللہ سے مضبوط اصلاحی تعلق تھا۔ یہ ان کی زندگی کا لازمی حصہ تھا۔ آج ہماری زندگی سے دین کا یہ اہم جز نکلتا جا رہا ہے، حالانکہ تزکیہ نفس فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم کیے بنا چارہ نہیں۔

آپ کبھی غور کریں جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بڑے پیمانے پر دین کا کام لیا۔ ان کی کامیابی میں یہی راز پوشیدہ تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو کسی اللہ والے کے، کچھ یوں سپرد کیا جیسے مردہ آخری غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ پھر دنیا نے دیکھا۔ ان کے کام میں کیسی برکت تھی! لیکن جو صاحب استعداد تو تھے مگر کسی پیر و مرشد کے ذریعے اپنی کامل اصلاح نہ کروائی تو صرف ان کی ظاہری صلاحیتیں انہیں کسی بڑی کامیابی سے ہمکنار نہ کر سکیں۔

لہٰذا بلا تاخیر، آپ کے قرب و جوار میں جس صاحبِ نسبت اللہ والے بزرگ سے قلبی مناسبت پائیں، ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں۔ پوری فکر مندی کے ساتھ اپنی اصلاح کرائیں..... پھر دیکھیں کس طرح اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کا کام لیتا ہے۔

☆☆☆

تیسرا باب

چند قابلِ اصلاح امور

پانچ وقتہ نماز اور مدرسین

آج کے اکثر مدرسین کی کمزوریوں میں سے جماعت اور نماز کا خیال نہ کرنا ہے۔ جو نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کرتا، بے شک وہ محنت بھی کرتا ہو، اس کی درس گاہ میں نکھار نہیں آسکتا۔ یہ بات مدرسین سے متعلق کہی جارہی ہے، عوام سے مخاطب ہو کر نہیں۔ آج ہمارے مدرسین کی زندگیوں سے فرض نمازوں کا اہتمام بھی نکل گیا ہے۔ اہتمام تو یہ ہوتا ہے کہ اذان کے وقت سے ہی نماز کی تیاری شروع کردی جائے۔ اذان ہوتے ہی درس گاہ کو موقوف کردیں۔ استنجا اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقت سے پہلے مسجد میں پہنچ جائیں۔ سنتیں ادا کریں اور جماعت کے انتظار میں بیٹھ جائیں۔ اس کو کہتے ہیں اہتمام! مگر شاید کوئی ہزاروں میں دس ایسے نکلیں گے جو نماز کا...... صف اوّل میں، تکبیر اولیٰ کے ساتھ...... باقاعدہ اہتمام کرتے ہوں۔

اکثر مدرسین کی تکبیر اولیٰ فوت ہوجاتی ہے۔ کچھ رکعتیں چھوٹ جانا معمول کی بات سمجھی جاتی ہے۔ جماعت کو ترک کرنے والے بھی تعداد میں کچھ کم نہیں۔ ایسے مدرس بھی ہمارے علم میں آئے جو نماز ہی نہیں پڑھتے۔ یہ چیز ہماری ''عظیم نسبت'' کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔ ان وجوہ سے عوام الناس میں ہمارے بارے میں جو نظریہ قائم ہوتا جارہا ہے، وہ ہماری پوری برادری کے نام پر بدنما دھبہ ہے۔ عام لوگوں کی زبانی سننے میں آتا ہے: ''فلاں شخص حافظ بھی ہے، مدرس بھی ہے، لیکن نمازیں نہیں پڑھتا، نمازوں کا اہتمام اس کے اندر نہیں ہے۔''

نماز کی ادائیگی خدا تعالیٰ کا حق ہے۔ یہ حق وہ شخص کبھی نہیں چھوڑ سکتا جس کے دل میں اللہ کا حیا موجود ہے۔ پھر مخلوق کے حقوق کا بھی وہی لوگ خیال کرتے ہیں جو خالق کے حقوق کو اہمیت دینے والے ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں معروف ہے۔ آپؓ کسی شخص کو کسی بھی منصب پر مقرر کرنے کا ارادہ فرماتے تو پہلے، جہاں اس کی زندگی کے دیگر

احوال کے متعلق پڑتال فرماتے، وہیں خصوصی طور پر اس کی نماز کے بارے میں تحقیق کرتے کہ نماز کے اہتمام کے حوالے سے اس کا رویہ کیسا ہے؟ نمازیں تو ضائع نہیں کرتا۔ اگر اس میں یہ کوتاہی موجود پاتے تو اس کو اس منصب کا اہل ہی نہ سمجھتے اور فرماتے:

"...أنَّ أهَمَّ أمرِكُم عِندِيْ الصَّلاَةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِيْنَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أضْيَعُ." (مؤطاامام مالك رحمه الله بروايةالليثى:1/6، دار احياء التراث ،بيروت)

"بلاشبہ میرے نزدیک تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت اور اس پر ہمیشگی اختیار کی اس نے اپنے دین کو محفوظ بنالیا اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے (اللہ کے حقوق کو ضائع کرتے ہوئے نہیں شرماتا، اس کے نزدیک بندوں کے حقوق کیا معنی رکھتے ہیں؟) وہ اس کے علاوہ (دیگر حقوق) کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔"

نماز کے اہتمام کے حوالے سے اپنے اکابر کی زندگی سے روشنی حاصل کرتے چلیے۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو ہم نے نہیں دیکھا کہ کبھی ان کے اہتمامِ نماز میں فرق آیا ہو۔ میں دس سال سے زائد عرصہ تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہا۔ ہم سے پہلے والوں نے بھی یہی بتایا اور بعد والوں کا بھی یہی مشاہدہ ہے۔ آپ ہمیشہ پہلی صف میں امام کے پیچھے والی جگہ پر نماز پڑھتے۔ سیکڑوں مرتبہ حضرت کے ساتھ سفر کیا۔ سفر میں بھی یہی ترتیب دیکھی۔ جس محلے میں جا کر ٹھہرتے۔ اس مسجد میں اپنے معمول کے مطابق پہلی صف میں امام کے متصل پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے۔

ہمارے بڑے اسلاف میں یہی چند چیزیں تھیں، جن کا فیض، اللہ نے کہاں کہاں پہنچا دیا۔ پوری دنیا میں ان کے فیوض و برکات پھیلے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

سزا کی حدود وقیود

مدرسین کا ایک بہت بڑا مسئلہ طلبہ کی ''ڈانٹ ڈپٹ'' کا ہے۔ کچھ لوگ اس کے بے حد مخالف ہیں تو بعض اس حوالے سے اپنے آپ کو کسی اصول وضابطے کا پابند نہیں سمجھتے۔ بہت سے مدرس تو ڈنڈا، سوٹی، مکا اور سختی کے بے دریغ استعمال کو بزرگوں کے کھاتے میں ڈالنے سے نہیں چوکتے۔ اس سلسلے میں بہت زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ اس کی مقدار اور شرعی اصول وضوابط کیا ہیں؟ بزرگوں کے طرزِ عمل کی حقیقت اور ہمارے لیے کیا ہدایات ہیں؟ اسی حوالے سے چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

اکابر کا طرزِ عمل:

ہمارے سزا دینے پر اگر ہم سے کوئی مؤاخذہ کرے یا کوئی منتظم پوچھ لے تو ہمارا جواب اس سے مختلف نہیں ہوتا:

''اجی! فلاں بزرگ بھی تو سزا دیتے تھے۔ فلاں کے بارے میں بھی تو یہ اور یہ بات مشہور ہے۔ لہٰذا ہم سے کیوں پوچھ گچھ ہو رہی ہے؟''

یہ کہنا بہت ساری باتوں سے جہالت پر مبنی ہے۔ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے ملفوظات میں سے ایک یہ بھی ہے، جسے وہ اکثر اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے۔ عملاً ہم نے خود بھی یہی دیکھا۔ فرمایا:

''جو استاد صبح تہجد میں اٹھ کر اپنے بچے کے لیے اپنے پاس پڑھنے والے طالبِ علم کے لیے دعا نہیں کر سکتا، اسے سزا دینے کا کوئی حق نہیں۔''

اس قسم کے مدرسین ایسی بات کہتے وقت یہ بھی پیشِ نظر رکھا کریں، کیا وہ للّٰہیت، خوفِ خدا اور خلوص ہمارے اندر ہے جو ہمارے بزرگوں کا نمایاں وصف تھا؟ میں نے دیکھا، حضرت

قاری صاحبؒ بے شک سزا دیتے تھے، مگر ان کی سزا سے درس گاہ کے طلبہ میں کبھی نفرت نہیں پیدا ہوئی۔ کسی کے دل میں کوئی کدورت پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ آپ یہ دیکھتے تھے بچہ سزا کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی سزا کا مستحق ہے۔ پھر اسی قدر یا اس سے بھی کم سزا دیتے۔ اس کے بعد خوب توبہ اور استغفار کا بھی اہتمام فرماتے۔

میرا اپنا واقعہ:

جب میں پہلے سال حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے پاس داخل ہوا تو عجیب اتفاق ہوا۔ ابھی میرے داخلے کو چند دن ہی گزرے تھے کہ حضرت کے ہاتھ سے مجھے کچھ زیادہ سزا مل گئی۔ میں ایک شہری (غیر رہائشی) طالب علم تھا۔ صبح کو آتا اور شام کو اپنے گھر جاتا تھا۔ ایسے طالب علم کو اگر زیادہ سزا مل جائے تو والدین کے اوپر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سزا دینے کے بعد حضرت کا معمول یہ ہوتا تھا کہ اس وقت تک بچے کو گھر نہیں جانے دیتے تھے، جب تک اس سے اپنا معاملہ صاف نہ فرمالیتے۔ معاملہ صاف کرنے کا مطلب یہ کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کو راضی اور خوش کرنا اور اس کے ذہن سے یہ بات نکالنا کہ آج مجھے سزا ملی ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے بعد بچے کو بلا کر کہتے: ''دیکھو بیٹا! آپ نے یہ غلطی کی تھی، اس لیے آپ کو سزا مل گئی۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو مجھے کیا ضرورت تھی آپ کو سزا دینے کی۔'' یہ بات کر کے کبھی تھوڑا سا دودھ پلا دیا۔ کبھی کچھ نقد پیسے دے دیے۔ یا کوئی چیز آئی ہوئی ہو، ساتھ بٹھا کر کھلا دی۔ کھانا آیا ہوا ہے، اس میں شریک کر لیا۔ کسی ہدیے میں سے کوئی چیز نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ یہ تمام طریقے تھے، جن سے بچے کے دل سے وہ بات بالکل ہی زائل ہو جاتی تھی کہ استاد نے مجھے سزا دی ہے۔ آپؒ کا معمول یہ تھا کہ چھٹی سے پہلے پہلے اپنا معاملہ صاف فرما لیتے، تاکہ استاد سے دوری کے جذبات بچہ درسگاہ سے لے کر باہر نہ جائے۔

بہر حال! میرے ساتھ اتفاق ایسا ہوا کہ سزا دے دی لیکن اس کے بعد اس کا موقع نہیں آیا کہ اس کا تدارک کیا جاتا۔ میں گھر چلا گیا۔ بعد میں حضرت قاری صاحبؒ نے مجھے بتایا کہ نامعلوم رات کو اپنی چارپائی پر لیٹے لیٹے کتنے مرتبہ اور صبح تہجد کے وقت میں نے دعا کی: ''یا

اللہ! اس مار کو اس بچے کے لیے نافع بنادے اور تنفر سے اس کو محفوظ فرما'' فرماتے ہیں: صبح کو جب میں درسگاہ میں آیا تو ابھی میں دروازے پر ہی تھا۔ سب سے پہلی نظر میں نے تیری جگہ پر ڈالی کہ تو وہاں موجود ہے یا نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے یہ وسوسہ تھا کہ وہ آج پڑھنے نہیں آئے گا، لہٰذا درسگاہ کے دروازے پر آتے ہی تیری جگہ پر نظر ڈالی کہ تو آیا ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ جب میں نے دیکھا کہ تو آیا ہوا ہے تو مجھے یقین ہو گیا ان شاء اللہ یہ بچہ کامیاب ہوگا۔ ایک استاد جس نے سزا دی۔ پھر اس سزا دینے کے بعد وہ کس طرح پر فکر مند ہے۔ پوری رات فکر مند رہا ہے۔ صبح تہجد میں گریہ وزاری بھی کر رہے ہیں۔ اسے فکر لگا ہوا ہے کہ صبح بچہ پڑھنے آتا ہے یا نہیں آتا۔ ہم سزا دینے سے پہلے ذرا اپنے دل کی کیفیت تو معلوم کرلیں، کیا ہمارے اندر بھی یہ کیفیت ہے؟

درمیان کی راہ:

جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے بانی...... میرے استاد محترم...... حضرت مولانا نذیر احمد صاحبؒ اپنے ادارے میں بہت شدت کے ساتھ سزا کے مخالف تھے۔ ان کا فرمانا تھا: طالب علم کو بالکل سزا نہیں دی جانی چاہیے۔ چھڑی استعمال کرنے کے قطعی خلاف تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ مجھے بلایا تو ان سے اس معاملے میں مفصل گفتگو ہوئی۔ جو ترتیب اس معاملے میں میں نے اپنے ادارے میں جاری کی ہوئی ہے، ان کے سامنے عرض کی۔ انہوں نے اس طریق کار کو پسند فرمایا۔ میں نے ان کے سامنے عرض کیا: اگر طلبا کو یہ باور کرادیا جائے، ہم نے اساتذہ کو منع کر دیا ہے کہ وہ کسی قسم کا ایکشن نہیں لے سکتے، طالب علم کو سزا نہیں دے سکتے۔ میں یہ سمجھتا ہوں اس قسم کا قانون طلبہ کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ آج اسکولوں اور کالجوں میں جو بے راہ روی اور اساتذہ کی بے حرمتی ہو رہی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ پہلے تو ویسے ہی اس کی مخالفت کی جاتی تھی، اب انہوں نے باقاعدہ قانونی طور پر یہ لکھ کے لگا دیا ہے کہ کسی استاد کے سزا دینے یا اس کے خلاف کسی قسم کی شکایت کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں۔ اب ان طلبا نے کیا خاک پڑھنا ہے۔

لہٰذا میرا یہ مطلب بھی نہیں کہ طالب علم سزا ہی سے پڑھتا ہے۔ بعض طلبہ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا نہایت نقصان دِہ ہوتا ہے۔ یہ ہوتے تو دو چار ہیں لیکن ان کو کنٹرول نہ کیا جائے، اس کی پوری سزا ان کو نہ ملے تو وہ پوری درسگاہ کو تباہ کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

بہر حال! اس معاملے کو افراط وتفریط سے بچتے ہوئے حکمت عملی کے ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت ہے۔ آپ اسے ایک ڈاکٹر کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کے پاس آپ مریض کو لے کر جائیں گے۔ ڈاکٹر بعض دفعہ تو کہے گا: بھئی! اس کو دوائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو یہ خوراک بدل کر یہ دے دو، ان شاء اللہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ دوسرا مریض آیا۔ ڈاکٹر صاحب کہیں گے اس کو یہ ایک گولی دے دو، اس سے زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ اس سے وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ایک اور مریض آیا، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کو یہ کیپسول بھی دینا ہے، یہ انجکشن بھی لگانا ہے۔ کوئی مریض ایسا بھی آتا ہے، جس کے لیے ڈاکٹر کہتا ہے اس کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر اس کو شفا نہیں ہوگی۔ اسی اصول کے مطابق طلبہ کی تربیت میں ضرورت، غلطی اور اثرات کو سامنے رکھ کر حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے۔

سزا دینے کے چند اصول:

❁......پہلی بات یہ ہے کہ سزا دینے کو بالکل ناجائز کہنا درست نہیں۔ اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ملتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر طمانچہ مارنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُم أَخَاهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدمَ عَلٰى صُورَتِه .“

(صحیح المسلم 327/4:)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم سے میں کوئی اپنے بھائی سے لڑائی کرے تو اس کے چہرے پہ مارنے سے گریز کرے، کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔“

ایک اور حدیث پاک میں مزید صراحت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إذا قاتَلَ أحدُكُم أخاهُ فَلا يَلْطِمَنَّ الوَجْهَ ." (صحيح المسلم 327/4:)

''جب تم میں کوئی اپنے بھائی سے لڑائی کرے تو اس کے چہرے پہ تھپڑ مت مارے۔''

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''مار'' مطلقاً ناجائز نہیں۔ضرورت کے وقت حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے فہمائش کی جا سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد رحیم وکریم ہونے کے باوجود فرمایا:

"مُرُوا أوْلادَكُم بِالصَّلاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُم عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُم فِي الْمَضَاجِعِ." (سنن أبي داوٗد:82/2، رحمانية)

بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دیجیے، دس سال کی عمر میں نماز ادا نہ کرنے پر انہیں سزا دیجیے اور ان کے بستر علیحدہ کر دیجیے۔''

اسی طرح پر حضرت لقمان حکیم کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''سزا بچے کے لیے ایسے ہی نافع ہے، جیسے کھیتی کے لیے پانی نفع بخش ہوتا ہے۔''
(فضائل اعمال:201، ناشر عبدالرحیم)

❁......دوسری بات یہ ہے کہ سزا دینے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔جیسا کہ اس مثال سے سمجھ میں آتا ہے کہ کھیتی کے لیے پانی اتنی ہی مقدار میں نفع مند ہوتا ہے جتنی ضرورت ہو۔آپ میں سے جو لوگ زمینداری سے تھوڑی بہت مناسبت رکھتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہوں گے کہ کھیتی کو اگر ایک گھنٹہ پانی لگنا چاہیے، ہم نے دو گھنٹے کے لیے کھولے رکھا یا کم کی ضرورت تھی ہم نے لبالب بھر دیا تو یہی پانی اب کھیت کے لیے نقصان کا باعث بن جائے گا۔ سیلاب میں کیا ہوتا ہے؟ وہ بھی تو پانی ہی ہوتا ہے۔مگر ہماری کھیتیاں اور سب کچھ برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

لہٰذا استاد حکمت عملی سے کام لے۔ پہلے سوچے کہ اس بچے کو سزا کی ضرورت ہے یا نہیں؟

پھر دوسرے مرحلے میں اس پر غور کرے کہ اس کو کتنی سزا کی ضرورت ہے۔آپ اپنی درسگاہ کے لیے ایک حکیم اور ڈاکٹر ہیں۔آپ کے پیش نظر یہ ہو کہ اس کے اندر غفلت ہے، سستی ہے وہ کسی نہ کسی طریقے سے دور ہو جائے۔اس کو تکلیف پہنچانا اور ایک طرح کا عذاب دے کر عبرت بنا دینا ہرگز مقصد نہ ہو۔☆

چھڑی کا استعمال کب اور کیسے؟

استاد کو چاہیے کہ چھڑی ضرور رکھے۔تاہم اس کے ساتھ ساتھ شرط کے درجے میں چند باتوں کا خیال رکھے:

1 ایک ہاتھ سے زیادہ بڑی نہ ہو۔

2 ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے زیادہ موٹی نہ ہو، لچکدار ہو۔

3 اپنے سامنے یا ہر وقت اپنے ہاتھ میں نہ رکھے، ڈیسک کے اندر رکھے۔

4 غصہ آنے پر فوراً نہ نکالے۔

5 نکال کر فوراً استعمال نہ کرے۔

6 استعمال ضروری ہو جائے تو صرف ہاتھ پر احتیاط سے پورے زور کے بجائے میانہ روی سے ایک دفعہ استعمال کرے۔

❁......ایک شرمناک بات یہ بھی ہے کوئی استاد اپنے بچے کو بسا اوقات اس لیے سزا دیتا ہے کہ کسی وقت کسی طالب علم کے والد نے اس کو کوئی بات کہہ دی تھی۔اس قسم کی رنجش دل میں رکھ کر سزا دیتا ہے۔کبھی اس لیے کہ میری فلاں خواہش اس کے والد نے پوری نہیں کی۔مثلاً: اس نے قرض نہیں دیا، وغیرہ۔اس قسم کے معمولات بعض مدرسین میں چلتے ہیں۔اس رنجش کا اظہار کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔اس کو دل میں رکھ کر سبق نہیں دیتا، اس کا سنتا نہیں ہے۔میں سمجھتا ہوں، یہ استاد کی بہت زبردست زیادتی اور گناہ والی بات ہے۔اپنی کسی نفسانی خواہش یا

☆ کذاأفتی الشیخ مولانا ظفر أحمد العثمانی رحمه الله، فلیراجع:امداد الأحکام:429/4

مفاد کی وجہ سے سزا دے گا تو اس کا جواب اسے دینا پڑے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ دونوں جہانوں میں اس کی ذمہ داری ہے۔ کوئی ایسی حرکت کرتا ہے تو یہ ایک مجبور بچے پر سراسر ظلم ہے۔ اس کا انجام بہت ہی بھیانک ہوسکتا ہے۔ تو تو انسان ہے، تیرا اختیار محدود ہے۔ اللہ کی بڑائی ایسی ہے وہ کبھی بھی بے اختیار نہیں ہوسکتا۔ وہ ایسا پکڑے گا کہ تجھے نیچے رکھ کر چھوڑے گا۔

عبرت ونصیحت کے لیے یہ حدیث قدسی کافی ہونی چاہیے:

''عَنِ النَّبِیِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَارَوٰی عَنِ اللّٰہِ تبَارَکَ وَ تَعَالٰی أنّہ قَالَ: یَاعِبَادِیْ ، اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ ، وَجَعَلْتُہ بَیْنَکُم مُحَرَّمًا ، فَلاَ تَظْلِمُوا یَا عِبَادی .'' (صحیح المسلم 379/2)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے، نیز تمہارے آپس میں ظلم کرنے کو بھی حرام کیا ہے، سوتم اے میرے بندو! ظلم مت کرو!''

معلمین کو چاہیے کہ اپنے طلبا کے بارے میں محتاط رہیں۔ کوئی غلطی کی ہے اس کو نرمی سے سمجھائیں کہ بھئی! ایسا نہیں کریں۔ اس میں سراسر آپ کا نقصان ہے۔ اس میں آپ کی تعلیم کا حرج ہے۔ اس سے آپ کی تربیت متاثر ہوسکتی ہے۔ اس سے آپ میں اخلاقی بگاڑ آئے گا۔

❁......سزا دینے میں جلد بازی بالکل نامناسب ہے۔ سزا تب دی جاتی ہے جب اس کے سوا چارہ نہ رہے۔ طالب علم کو پہلے آپ ہی آپ سنبھلنے کا موقع دیا جائے۔ ابتدا میں درگزر سے کام لیا جائے۔ اگر پھر بھی اس کی سمجھ میں نہ آئے تو دوسرے مرحلے میں اس کو کہہ دیں بھئی! آپ کی یہ چیزیں مجھے تکلیف دے رہی ہیں۔ آپ کا فلاں عمل مجھے تکلیف دے رہا ہے، مجھے ناراض کررہا ہے، مجھے آپ سے دور کررہا ہے۔ آپ اپنے آپ کو صحیح لائن پر لے آئیں، تاکہ میرے دل میں آپ کا تعلق اور محبت قائم رہے۔ میری دعائیں آپ کو لگیں۔

جب اس کا بھی کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہے کہ اس کی تھوڑی پٹائی کریں، لیکن

حدود کے اندر رہ کر۔ طالبِ علم کے جسم پر کوئی نشان نہ پڑے۔ پیشانی پر تو تھپڑ مارنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کردہ حدیث پاک سے ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِذَا قَاتَلَ أحَدُکم أخاہ فَلا یَلْطِمَنّ الوَجْہَ.'' ''جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑائی کرے تو اسے چاہیے کہ چہرے پر مت مارے۔'' (صحیح المسلم 327/4)

محدود سزا دینے کے بعد اللہ سے توبہ اور کثرت سے استغفار کیا جائے:

''اے اللہ! آپ جانتے ہیں میں نے یہ سزا اس کو کیوں دی ہے۔ میں نے اس کے فائدے کے لیے اور اس کو نقصان سے بچانے کے لیے یہ اقدام کیا ہے۔ اس میں مجھ سے زیادتی ہوگئی ہے تو مجھے معاف فرما!''

سزا دینے کے بعد:

استغفار کے ساتھ ساتھ سزا پانے والے بچے پر ظاہر ہونے والے اثرات کے ازالے کی عملاً کوشش بھی کرے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ کسی وقت اس کو بلا کر کہے، دیکھو بیٹا! میں آپ کو مارنا نہیں چاہتا تھا، لیکن آپ نے مجھے اس حد تک پہنچایا اور میرا ہاتھ اٹھ گیا۔ میں نے یہ سزا تمہیں تمہارے نفع کے لیے دی ہے۔ آئندہ کے لیے ایسی غلطی سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ اول تو ان شاء اللہ اسی سے ہی طالب علم کا دل نرم ہو جائے گا۔ کوئی اس سے بھی بڑھ کر اس سے سلوک کرنا چاہے... جیسا کہ پہلے ہمارے حضرت کا معمول آپ نے ملاحظہ کیا... تو اس کو چاہیے کہ دودھ، آم، انار، سیب یا جو بھی آپ کو آسانی سے مہیا ہو اور جیب اجازت دے تو اس کا اہتمام کر لیا جائے۔ کھلانے کے بعد مزاح کے انداز میں دل جوئی کے لیے کہہ دیا: ''بھئی! ''مار'' کھائی ہے تو اب تھوڑا سا ''مال'' بھی کھا لے۔'' اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بھی ملتا ہے۔ جس کے مطابق کسی کو کچھ کھلا پلا دینا ان نیکیوں میں سے ہے جن پر براہ راست جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ حضرت یزید بن مقدام بن شریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَنَّهُ لَمَّا وَفَدَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ شَيْءٍ يُوجِبُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ." (المستدرك للحاكم الشهيد: 74/1، دارالكتب العلمية)

"(یزید بن مقدام نے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتلائیے جو جنت میں پہنچانے والا ہو۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: اچھی گفتگو اور کھانا کھلانا اپنے اوپر لازم کرلو، یہ اعمال جنت میں لے جانے والے ہیں۔"

آپ سوچیں گے ہم نے تو اب تک کھانا ہی سیکھا ہے، کھلائیں گے کیسے؟ عالم، حافظ، مدرس یا کوئی بھی ہو، مدرسے میں رہ کر اسے یہ بھی خیال تک نہیں آتا کہ دوسروں پر خرچ کرنا بھی کسی چیز کا نام ہے۔ یہ تو ہمیں کسی نے عادت ہی نہیں ڈالی۔ نہیں! آپ اس کی عادت ڈالیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کے معاملے میں ہمارا طبقہ بہت کمزور ہے۔ ہم نے سمجھ رکھا ہے یہ مسئلہ صرف عوام الناس کے لیے ہے، علما اور قراء کے لیے نہیں۔ آپ کے پاس بہترین مصرف آپ کے اپنے طلبہ ہوتے ہیں۔ آپ ان کی دل جوئی کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہا کریں۔ اس سے انفاق فی سبیل اللہ پر عمل بھی ہو جائے گا۔ طلبا کے ساتھ آپ کا تعلق بھی مضبوط ہوگا۔ ان کے دلوں میں آپ کی عظمت بھی بیٹھے گی۔ بہر حال! سزا کے بعد جب آپ بچے کے ساتھ اتنا سا بھی سلوک کر دیں گے تو ان شاء اللہ سزا کی وجہ سے جو دل میں تھوڑی سی دوری اور تنفر آ جاتا ہے، وہ نہیں رہے گا۔

ہمارے حضرت قاری صاحبؒ کا یہی معمول تھا۔ آپ نے ہمیشہ اس کی تلقین کی اور اس کو باقاعدہ اپنی کتاب میں بھی لکھا۔ فرمایا: "جب بھی میں نے بچے کو سزا دی، اس کے ساتھ استغفار بھی کیا اور اس کے ازالے کے لیے میں نے ان چیزوں پر عمل کیا تو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بچہ سزا کی وجہ سے متنفر ہو کر چلا گیا ہو۔"

سزا اور دعا ساتھ ساتھ:

استاد کو اپنی درسگاہ کے لیے خصوصاً جن بچوں کی حسب روایت سرزنش ہوتی رہتی ہے۔ استاد کو چاہیے کہ اپنے تمام معاملات میں خصوصاً ایسے طلبا کے بارے میں خصوصی طور پر

توبہ استغفار کرتا رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

﴿اللّٰھُمَّ اِنّی أتّخِذُ عِندَكَ عَھداً لَّنْ تُخلِفَنِیهِ؛ فَاِنَّمَا أنَا بَشَرٌ فَأیَّمَا مُؤمِنٍ اٰذَیْتُه أوْ شَتَمْتُه أوْ جَلَدْتُّهٗ أوْ لَعَنتُهٗ، فَاجْعَلْھَا لَهٗ صَلٰوةً وَّ زَكٰوةً وَّ قُربَةً تُقَرِّبُه بِھَا اِلَیْكَ.﴾ (صحیح المسلم 2007/4، داراحیاء التراث، بیروت و مناجات مقبول المنزل الرابع)

''یااللہ! میں آپ سے وعدہ لیتا ہوں جسے آپ ہرگز نہ توڑیے کہ میں بھی آخر بشر ہوں، سو جس کسی مسلمان کو میں تکلیف دوں یا اسے برا بھلا کہوں یا اسے ماروں، پیٹوں یا اسے بد دعا دوں تو اس (سب) کو آپ اس کے حق میں رحمت اور پاکیزگی کا ذریعہ بنادیجیے، جس سے آپ اس کو اپنا مقرب بنائیں۔''

اس دعا کا اہتمام رکھے۔ ضمیر کے مرجع میں خاص طور پر ایسے طلبا کی بطور خاص نیت کر لیا کرے جن کی سرزنش ہوئی ہے۔ حق تعالی شانہ کی شان کریمی سے امید ہے کہ شفقت وخلوص کی بنا پر اس کی گئی تادیب وسرزنش کی صفائی ہوجائے گی۔

حضرت قاری صاحبؒ کی خدا خوفی:

ہم سالہا سال تک حضرت قاری صاحب کا یہ طرزِ عمل دیکھتے آئے کہ سال کے آخر میں آپ بچوں کو جمع کر کے جہاں اور وعظ ونصیحت فرماتے، اس میں خصوصی طور پر بچوں سے علی الاعلان اور برملا معافی مانگتے۔ پھر حلف اٹھا کر فرماتے کہ میں نے اپنے نفس کے لیے کسی کو سزا نہیں دی۔ میں نے آپ کے فائدے کے لیے آپ کی فہمائش کی۔ پھر بھی اگر کسی کے دل میں کوئی میل ہے تو اللہ کے لیے مجھے معاف فرمادیجیے۔ مجھے اچھی طرح پر یاد ہے کہ جس سال ہم حفظ مکمل کر کے فارغ ہو رہے تھے، جب حضرت نے یہ بات کی تو پوری درسگاہ کی چیخیں نکل گئیں۔ آہ وبکا کا ایک پورا سماں تھا۔

[مرتب عرض کرتا ہے کہ ہمارے ممدوح گرامی حضرت اقدس مولانا قاری محمد یاسین صاحب مدظلہ بھی اپنے عالی مقام استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی اصول پر کاربند ہیں۔ ہر سال اساتذہ اور طلبہ سے الگ الگ مجالس میں آپ کو ''دست بستہ'' دیکھا جاتا ہے۔ یہاں بھی

ایسے ہی مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ آپ کی لجاجت کو دیکھتے ہوئے طلبہ کی دھاڑیں نکل جاتی ہیں۔ مدرسین کے لیے ان اکابر کے عمل میں تقلید کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔]

ایک عجیب واقعہ:

ایک مرتبہ میرا کراچی جانا ہوا۔ وہاں حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا احترام الحق سے ملاقات ہوئی۔ حضرت قاری صاحبؒ کا ایک عجیب واقعہ انہوں نے مجھے سنایا۔ یہی واقعہ اس کے بعد انہوں نے وہیں پر ایک خطاب میں بھی ذکر کیا۔ مولانا احترام الحق نے حضرت کے پاس گردان کی تھی۔ فرماتے ہیں: ایک سال میں نے مسجد نبوی میں مسنون اعتکاف کیا ہوا تھا۔ ایک دن اشراق کے بعد راستے میں حضرت قاری صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ آپ مواجہہ شریف سے باب السلام کی طرف آرہے تھے۔ میں باب السلام کی جانب سے مواجہہ شریف کی طرف جا رہا تھا۔ ملاقات ہو جانے پر فرمانے لگے: ''بھائی احترام الحق! میں نے تمہاری آمد کا سنا تھا۔ اللہ نے ملوا دیا......''

یہ قصہ سناتے ہوئے مولانا احترام الحق جلسے میں، بھرے مجمع میں، سب کے سامنے زار و قطار رونے لگے۔ جب انہوں نے مجھے سنایا تھا تب بھی بہت روئے تھے۔ فرمانے لگے: حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور اسی طرح مواجہہ شریف پر لے گئے۔ پھر فرمایا: احترام الحق! میں آپ کو اس روضے والے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھ سے تعلیم کے دوران میں کوئی زیادتی، کوئی سختی ہوئی ہو، اللہ کے لیے معاف کردو۔ ان کا واسطہ دے کر کہتا ہوں، میرا مواخذہ نہ کرنا۔ وہ فرماتے ہیں: میں عرض کرتا بھی رہا، حضرت! وہ تو آپ نے ہماری اصلاح کے لیے اور ہماری غلطیوں پر ہی سب کچھ کیا ہے۔ حضرت فرمانے لگے: نہیں نہیں، بس! جیسے بھی کیا ہے آپ مجھے اللہ کے لیے معاف فرما دیں۔ کہتے ہیں: جب تک میں نے زبان سے یہ کہہ نہیں دیا: میں نے اللہ کے لیے معاف کیا، اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑا۔

کیا ہمارا معاملہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی ہے؟ اگر معاملہ ایسا ہی ہے اور یہی درد ہمارے دلوں میں اپنے طلبہ کے بارے میں ہے تو پھر آپ ''مناسب'' سزا دیا کریں، آپ کے

اوپر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس سزا سے ان شاء اللہ نقصانات نہیں ہوں گے۔

[حضرت مولانا احترام الحق تھانویؒ کا مذکورہ بالا خطاب مدرسہ روضۃ القرآن حسین آباد، کراچی، جناب قاری احسان الحق کے ہاں ہوا تھا۔ مرتب بھی حاضر تھا۔ دیکھا کہ خدا خوفی کا یہ واقعہ سن کر عقیدت مندوں کے علاوہ عوام الناس کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔]

معاف کرنے کی عادت بناؤ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ"...... "ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا...... "وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ" اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے"...... (اور صحابہ کا مواخذہ آپ سختی کے ساتھ فرماتے تو یہ جو آپ کے اردگرد ہر وقت پروانوں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے، یہ نہ ہوتا)...... "لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ" [آل عمران:159] تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔"

آپ معلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمایا: "انما بُعِثْتُ مُعَلِّماً."...... "مجھے معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہے۔" (احکام القرآن للجصاصؒ:226/5، دار احیاء التراث، بیروت)

یہ قواعد وضوابط آپ کو ایک معلم ہونے کی حیثیت سے بتائے جا رہے ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں، اپنے صحابہؓ کے ساتھ اس طرح پر رہنا ہے۔ سورہ آل عمران کی اسی آیت میں مزید فرمایا گیا: "فَاعْفُ عَنْهُمْ" [آل عمران:159] "لہٰذا ان کو معاف کر دو۔"

لہٰذا کوئی دیر سے آ گیا ہے، کسی نے کوئی اور شرارت کر لی ہے اس کو بھی معاف کرتے رہا کریں۔ سمجھانے کی کوشش کریں۔ ضرورت پڑنے پر احسن طریقے سے مواخذہ بھی کر لیا، مگر اپنی عادت اکثر معاف کرنے کی بنائیں۔ آپ ان کو سمجھانے کی ذمہ داری سے بری نہیں ہیں۔ ان کی تربیت بھی آپ کے فرائض میں شامل ہے۔ وہ بھی آپ ہی نے کرنی ہے۔ آپ کو "تزکیہ" کی ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ جو اخلاق حسنہ ہیں انہیں سمجھا

سمجھا کران کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔اور جو برے اخلاق ہیں، کھینچ کھینچ کران کے اندر سے نکالیں جائیں۔

سزا دینے پرادارے کا ردِعمل کیسا ہو؟

اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ادارے کے لیے اساتذہ کے حق میں نرمی اختیار کرنے کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ کسی استاد سے کوئی سختی ہوگئی،کوئی زیادتی ہوگئی، ایسی صورت میں بعض دفعہ تو ادارے والے بھی انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہیں۔وہ سب کے سامنے ہی استاد کو ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔سخت قسم کا مواخذہ کرنے لگتے ہیں۔ دوسری طرف اساتذہ کی جانب سے بھی نامناسب رویہ سامنے آتا ہے۔اگراس کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی،ادارے والے نے اس کا تھوڑا سا ایکشن لے لیا تو اس کا جواب وہ پتھر سے دینے کی کوشش کرتے ہیں۔اب ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ کوئی آتا ہے،آئے۔نہیں آتا نہ آئے۔کوئی سناتا ہے،سنائے۔نہیں سناتا نہ سنائے۔بس بیٹھے ہیں۔کیوں جی؟ کہتے ہیں ادارے والے نے کہا ہے:''سختی نہ کرو۔'' اب سختی نہ کرنے کا مطلب انہوں نے یہ لے لیا کہ کچھ ہوتا ہے ہو،نہیں ہوتا نہ ہو،بس وقت پورا کرنا ہے اور اس کے بعد چلے جانا ہے۔ہم نے کچھ نہیں کہنا ہے۔یہ بھی استاد کی پرلے درجے کی غیر ذمہ داری والی بات ہے۔

بہرحال! ہر دو صورت میں اعتدال کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے تدریس قرآن پاک کی خدمت سرانجام دینے کی ضرورت ہے۔

اکابر کے علمی اختلافات کو اچھالنا

آج ہماری عادت یہ ہے کہ ہمارا کام پورا ہو یا نہ ہو۔ درسگاہ کا جو منصب ہمیں ملا ہے، جو ذمے داری ہمیں سونپی گئی ہے وہ پوری ہو نہ ہو، لیکن باہر کے لوگوں پر تبصرے ضرور کرنے ہیں۔ یہ پانی پتی ہے، یہ لاہوری ہے۔ یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے۔ اس قسم کے تبصرے کرنے کے لیے ہمیں بہت وقت مل جاتا ہے۔ ہمارے ان تبصروں کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے اکابر کا طرز عمل کیا تھا؟ اور اس قسم کے تبصرے کر کے اپنے لیے تباہی کا کیا سامان کر رہے ہیں؟ انہی باتوں کے جائزے کے لیے دو واقعات پیش کرتا ہوں:

پہلا واقعہ:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے بڑے حضرات کے ساتھ راولپنڈی سے ملتان تک کا سفر کرنا تھا۔ حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ، حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ اور ان کے ایک شاگرد قاری سیف الدین صاحب دامت برکاتہم ہم سفر تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ بطورِ خادم تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ اور قاری فتح محمد صاحبؒ کی سفر کے حوالے سے عادتِ مبارکہ ہم نے یہ دیکھی کہ نماز کا پہلے سے بہت زیادہ اہتمام فرماتے۔ پنڈی سے چلے ہیں تو دیکھا، عصر اور ظہر کی نماز ہم نے کہاں کہاں ادا کرنی ہے۔ اگر پورا سفر ایک ٹکٹ کے ساتھ کرنے سے نماز کا حرج واقع ہو رہا ہوتا تو ٹکٹ ہی وہاں کا لیتے جہاں پر نماز پڑھی جا سکے۔ اس سے پہلے آپ ڈرائیور سے پہلے بات کرتے کہ ہمیں ظہر فلاں جگہ پڑھانی ہے۔ ان شاء اللہ اتنے بجے، اتنے وقت کے دوران میں پڑھی جائے گی۔ اگر وہ ڈرائیور حیل و حجت کرتا تو ٹکٹ ہی اس جگہ کا لیتے، جہاں پر جا کر ظہر کی نماز ادا کرنی ہے۔

ہم یہاں پر لاہور پہنچے تو حضرت نے دیکھا کہ عصر کا وقت ہے، عصر ہم نے یہاں پڑھنی ہے۔ اگر ہم نے آگے سفر کیا تو مغرب کی نماز کا حرج ہوگا۔ پھر فرمانے لگے کہ چلو اتنے وقت میں حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کر کے آتے ہیں۔ حضرت قاری فتح محمد صاحب، قاری رحیم بخش صاحبؒ اور میں خود بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سبحان اللہ! ان کو اس شان میں دیکھا کہ مغرب کے بعد کا وقت ہے۔ ایک چھوٹا سا صحن ہے۔ اس میں ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے۔ آپ بغیر کسی چادر اور بستر کے اس پہ لیٹے ہوئے ہیں۔ پوشاک کا یہ حال ہے ایک بنیان اور لنگی زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ جیسے گھر کے ماحول میں آدمی بے تکلف ہوتا ہے۔ یہ حضرات جب اچانک وہاں پر پہنچے، میں نے دیکھا کہ وہ اتنے خوش ہوئے، اتنے مسرور ہوئے، دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرطِ عقیدت سے سرشار ہیں، مگر ان کو بٹھانے کے لیے کوئی جگہ نہیں مل رہی۔ ان حضرات نے دو تین گھنٹے وہاں پر گزارے۔ رات کا کھانا بھی حضرت قاری محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھلایا۔ رات رہنے کے لیے اصرار کیا۔ چنانچہ جو محبت کا، آپس کے تعلق کا نقشہ میں نے یہاں دیکھا، ایک طرف یہ ہے، جبکہ دوسری جانب ان کے کچھ شاگردوں کے طرح طرح کے تبصرے ہیں۔

بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ان حضرات کی محبتیں کیا تھیں۔ ان کا آپس کا تعلق کیا تھا اور یہ نیچے والی پَو دان پر کیا تبصرے کرتی ہے۔ ان حضرات نے صرف زبانی نہیں، اپنی تصانیف میں قلم کے ذریعے، ایک دوسرے کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ کی آپ کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں، مطالعہ کریں۔ ان کی 'شرح جزری' اور دیگر تصانیف ملاحظہ کریں، آپ کو جگہ جگہ پر حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ کی 'شرحِ جزری' کا حوالہ نظر آئے گا۔ یہ عبارت میں ان سے نقل کر رہا ہوں۔ انہوں نے کتاب اور مصنف کا نام لے کر لکھا ہے کہ میں وہاں سے یہ حوالہ نقل کر رہا ہوں۔ حضرت قاری فتح محمد کی 'عنایات رحمانی' شاطبی کی شرح دیکھ لیں۔ اس میں انہوں نے حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ کے متعلق جو عظمت والے الفاظ استعمال

فرمائے ہیں، اس قسم کے الفاظ اور کتابوں میں کہیں میری نظر سے نہیں گزرے۔

دوسرا واقعہ:

میں ایک دفعہ کراچی میں حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت ڈاک لکھوا رہے تھے اور ایک منی آرڈر روانہ فرما رہے تھے۔ میں نے قریب بیٹھ کر دیکھا کہ حضرت نے ایک منی آرڈر حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ کی ذات کے لیے اور دوسرا ان کے مدرسے کے لیے روانہ فرمایا۔ آج ذرا ہم بھی آپس میں اس قسم کے تعلقات قائم کر کے دیکھیں۔ ہم بھی تو ہم عصر ہیں۔ اکابر اور ان کے ہم عصروں کے درمیان جو تعلقات، محبت، ایک دوسرے کی قدر و منزلت اور ایک دوسرے کی عظمت ان کے دلوں میں تھی، اس کا وہ برملا طور پر اظہار اپنی زبان، تحریر اور عمل سے فرماتے تھے۔

یہ تو تعلق ہے ان بزرگوں کا۔ ان کو ایک دوسرے کی پہچان تھی۔ ان میں سے ہر ایک جوہری تھا، وہ دوسرے کے جوہر کو پہچانتا تھا۔ ہمارے پاس نہ کوئی جوہر ہے، نہ ہی ان جیسا صبر اور حوصلہ ہے۔ صرف ایک ''زبان'' ہے، جو بلا سوچے سمجھے بس چلتی رہتی ہے۔ چند مسئلے اگر یاد کر لیے، کسی کی طرز اچھی ہوگئی یا کسی کو قرآن پاک زیادہ یاد ہوگیا، ان کے لیے وہ سب سے بڑی چیز بن جاتی ہے۔ اسی کی بنیاد پر وہ اوروں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور یہیں سے پھر.... پانی پتی، مصری.... پانی پتی، مصری... چل پڑتی ہے۔

ہم انہی کے نام لیوا ہیں۔ ہم نے ہی ان کی صفات اپنے اندر پیدا کرنی ہیں۔ ہم مدرسین ہیں۔ انہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح پر تدریس کا زمانہ گزارا ہے، اس کی کوئی جھلک ہم اپنے اندر پیدا کریں۔

☆☆☆

''ٹیوشن'' پڑھانے کے نقصانات

ایک سب سے بڑی بات جسے میں بد دیانتی کہتا ہوں، یہ ہے کہ آج کل مدرسین میں ٹیوشن پڑھانے کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ اس چیز نے بڑا شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جب یہ ترتیب قائم تھی کہ اہلِ محلّہ کے بچے مسجد میں آتے تھے۔ اللہ کے گھر کے ساتھ ان کا جوڑ پیدا ہوتا تھا۔ دیگر بچوں کے ساتھ ان کا اٹھنا، بیٹھنا ہوتا تھا۔ ہر طبقے کے بچے قرآن کی خاطر ایک ہی صف میں بیٹھے نظر آتے تھے۔ پھر مسجد کے ماحول میں ان کی ہر لحاظ سے تربیت کی جاتی تھی۔ آج ٹیوشن نے یہ نقشہ بالکل بدل کے رکھ دیا ہے۔

اگر ایسے حضرات مختلف گھروں میں جا کر صحیح امانت و دیانت کے ساتھ پڑھاتے۔ جس کو پڑھا رہے ہیں، اس کی صحیح طور پر ذہن سازی کرتے تو پھر بھی کچھ زیادہ نقصان کی بات نہ تھی۔ مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہیں آدھا گھنٹہ دیا ہوا ہے، کہیں پندرہ منٹ اور کہیں کچھ۔ انہوں نے یہ وقت پورا کرنا ہے اور چلے جانا ہے۔ ایک مہینے کے بعد پیسے وصول کرنے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آگے پیچھے کا کوئی فلسفہ ان کے نزدیک بے معنی ہے۔

تدریس کے ساتھ ساتھ نماز کا طریقہ، اخلاق کی تربیت، کوتاہیوں پر تنبیہ بھی ان کے فرائض کا حصہ تھا، مگر صرف فیس کا بَر وقت وصول کرنا ہی ان کا مقصد حیات ٹھہرا ہے۔ جو لوگ آپ کو 2 سو، 5 سو یا ہزار ادا کر رہے ہیں، انہوں نے تو اپنا حق ادا کر دیا ہے، لیکن یہ آپ کے اوپر ہے کہ آپ کے ذمہ جو ان کا حق تھا، آپ نے ادا کیا یا نہیں؟

سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ لائن بالکل چھوڑ ہی دینی چاہیے۔ اس میں بے برکتی بھی ہے اور بے عزتی بھی۔ رزق حاصل کرنے کی خاطر جز وقتی یا کل وقتی طور پر ٹیوشن کے لیے بھاگتے پھرنا

سائیکل، موٹر سائیکل پہ جا کر ایک ایک دروازہ کھٹکھٹانا، اس میں آپ کی یا آپ کے علم کی کون سی عزت وقدر ہے؟ آپ گھنٹی بجاتے ہیں، شاگرد اندر ہی سے کہتے ہیں، استاد جی! آج آپ چھٹی کریں۔ کیا قدر کی ہم نے قرآن کی؟ وہ استاد جو طالبِ علم کو چھٹی دینے والا تھا کہ آج تیری چھٹی بند ہے۔ تم آج گھر نہیں جاسکتے۔ اس استاد کو طالبِ علم دروازہ کھولے بغیر اندر ہی سے چھٹی دے رہا ہے! اس پیسے میں قطعاً کوئی برکت نہیں ہے۔

ایک حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی ترغیب دی ہے۔ ایک صحابی نے آپ علیہ السلام سے دریافت کیا:

”یارسولَ اللّٰہ، دُلَّنِی عَلٰی عَمَلٍ اِذا عَمِلتُه اَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وأحَبَّنِی النَّاسُ، فقَال: ازْهَدْ فی الدُّنیا یُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِیمَا عندَ النَّاسِ یُحِبَّكَ النَّاسُ.“ (الاذکار النوویة:407/1)

”یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتایئے کہ جب میں اسے انجام دوں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت فرمائیں اور لوگوں میں بھی میری محبوبیت میں اضافہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت فرمائیں گے، لوگوں کے اموال سے بے پرواہو جاؤ، لوگ بھی تم سے محبت کریں گے۔“

ایک ٹیوشن پڑھانے والے سے بات ہوئی۔ وہ کہنے لگا: ”الحمدللہ! میں ایک ماہ میں 20 ہزار کما لیتا ہوں۔“ ادھر ہمارا ادنیٰ مدرس دو، تین یا پانچ ہزار ماہانہ وصول کرتا ہے۔ آپ کبھی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو پتہ چلے کہ یہ اخراجات کا رونا رو رہا ہوگا۔ جبکہ عزت کے ساتھ مستقل بیٹھ کر صرف 5 ہزار پر پڑھانے والا عمرے بھی کر رہا ہے، گھر میں وسعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے جو مدرسین کہیں مستقل ملازمت کے ساتھ ساتھ ٹیوشن کا شغل بھی رکھتے ہیں۔ ان کے لیے اپنے ادارے کا صحیح طور پر حق ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ رات کو ان کے صحیح وقت پر نہ سونے کی وجہ سے، آرام پورا نہ ہونے کی وجہ سے اول تو صبح کو بروقت حاضری

مشکل ہوجاتی ہے۔ اگر آ بھی جائیں تو دوران تعلیم ان پر نیند غالب رہتی ہے۔ ناظمین کو چاہیے کہ مدرسین کی مصروفیات پر بھی نگاہ رکھیں۔

☆☆☆

درست وضع قطع کا خیال نہ رکھنا

شعبہ حفظ میں کام کرنے والے عموماً نوجوان مدرسین ہوتے ہیں۔ یہ اس شعبے کی ضرورت بھی ہے۔ اس لیے کہ عمر رسیدہ اساتذہ کے کچھ طبعی تقاضے ہوتے ہیں۔ وہ جم کر کام کر سکتے ہیں نہ وہ بہت زیادہ وقت نکال سکتے ہیں۔ سخت محنت بھی ان کے بس سے باہر ہوتی ہے۔ لہٰذا نوعمر مدرسین جہاں اس شعبے کی ضرورت ہیں، وہیں وہ کئی وجوہ سے اس شعبے کے لیے بسا اوقات خطرناک بھی ثابت ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نوعمری کے زمانے کے کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ ان میں بہت سے تقاضے تدریس کا خیال کرتے ہوئے دبا دیئے ہوتے ہیں، مگر اکثر نوجوان اس میں ناکام رہتے ہیں۔ آج کل مدرسین میں دیکھا جا رہا ہے کہ موجودہ ماحول اور معاشرے سے متاثر ہو کر... ان کی وضع قطع... ان کا لباس... ان کی حجامت... جو ہمارے اسلاف کا ایک طریقہ تھا... ایک نمونہ تھا... وہ عمومی طور پر اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔ میں جائز، ناجائز کی بات نہیں کر رہا۔ میں اسلاف کے نظریے اور طریقے کی بات کر رہا ہوں۔ آپ ایک مفتی کے پاس جائیں، وہ آپ کو کبھی نہیں کہے گا کہ کفوں والی قمیض پہننا جائز نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض مفتی حضرات تو یہ بھی فتویٰ دیں گے کہ پینٹ، کوٹ پہننا بھی جائز ہے۔

آپ ذرا اس کا احساس پیدا کیجیے کہ آپ کا منصب کیا ہے؟ آپ کا بڑا اونچا منصب ہے۔ اس کی لاج رکھنا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپ کے سامنے 20 بچوں کی جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ ان سب کے انگریزی بال بنے ہوئے ہیں۔ کفوں اور کالروں والی قمیضیں انہوں نے پہن رکھی ہیں۔ اگر آپ ان کی اصلاح چاہتے ہیں تو پہلے اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنا ہوگا۔

آج کل دیکھا یہ جاتا ہے کہ حجام سے فرمائش کی جاتی ہے:

''ایسے طریقے سے بال بنانا کہ دیکھنے میں انگریزی بھی معلوم نہ ہوں اور اچھے بھی لگیں۔''

جس مدرس کے دل میں یہ شوق گھسا ہوا ہے۔ انگریزیت کی محبت اس کے دماغ میں سرایت کیے ہوئے ہے، بھلا وہ اپنے بیں بچوں کو یہ ترغیب دے سکتا ہے کہ بھئی! آپ کی حجامت ایسی ہونی چاہیے۔آپ کا لباس ویسا ہونا چاہیے۔وہ کبھی بات نہیں کرے گا۔کیونکہ وہ خود اس کمزوری میں مبتلا ہے۔اس لیے بھائی! ہمیں اس بات کا عہد کرنا ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے طریقے کو اپنانا ہے۔

شریعت میں بال رکھنے کے ''مسنون طریقے'' دو ہی آئے ہیں: یا تو پورے سر کا حلق کرواؤ یا مکمل زلفیں رکھو۔(اگر بال کٹوانے ہیں تو سب برابر ہونے چاہییں۔کچھ چھوٹے کچھ بڑے یہ ناجائز ہے۔)☆

اس کے علاوہ مختلف قسم کے ''کٹ'' جو آج کل رواج پاگئے ہیں، یہ سب ہماری حدود سے باہر کے ہیں۔اس لیے ہم اس بات کا لازماً اہتمام کریں کہ ہماری وضع قطع شریعت کے اصولوں اور اکابر کے طریقے کے مطابق ہونی چاہیے۔کفوں والی قمیض شریعت کی رو سے جائز ہے۔ مفتیانِ کرام یہی فتوی دیتے ہیں۔لیکن ایک معلم اور مدرس کا لباس ویسا ہونا چاہیے، جیسا ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا۔اسی میں عزت اور اسی کے اندر برکت ہے۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے:

''ہم وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت عطا فرمائی ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ، جزء:4، ص:84، رقم الحدیث: 39)

لہٰذا اگر ہم شرعی قوانین سے باہر نکل رہے ہیں، تو اس میں ہماری عزت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ کوئی سمجھتا ہے تو یہ عزت کا دھوکہ ہے، عزت نہیں!

☆أحسن الفتاوی، بفرق یسیر: 81/8...... ''امداد الأحکام'' (عن الطحاوی حیث قال فی شرح الآثار :أن قص الشارب حسن ،قال:والحلق سنة وهو أحسن من القص،وهذا قول أبی حنیفة وصاحبیه رحمهم الله تعالی): 333/4

غیر محتاط الفاظ بولنا

ہمارے نوجوان مدرسین میں کچھ غیر محتاط الفاظ بولنے کی عادت ہے۔ اس کے ہم نے بڑے شدید نقصان دیکھے ہیں۔ بارہا ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑا کہ جو افراد بڑے ''ہائی اسٹینڈرڈ'' اسکولوں سے اپنے بچوں کو چھڑا کر لائے تھے، جب ان کے بیٹوں نے گھر جا کر بتایا کہ استادوں نے ہمیں یہ الفاظ کہے ہیں تو انہوں نے شکوہ و شکایت کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ انہوں نے براہِ راست کہا۔ مہربانی کر کے ہمارے بچوں کو فارغ کر دیں۔ ہم تو بڑے عزائم لے کر یہاں آئے تھے۔ یہ الفاظ جو بچوں نے ہمیں آکر بتائے، یہ تو اسکول کے استاد بھی نہیں بولتے۔ بچے ایک دوسرے کو کہتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔

جب ان سے کہا گیا: ''بھئی! بتائیں تو سہی، انہوں نے کیا کہا؟''

وہ بتانا گوارا نہیں کرتے۔ اصرار کیا جاتا ہے کہ آپ تو بچوں کو ہٹا ہی رہے ہیں، بتا دیجیے تاکہ دیگر اساتذہ کو تنبیہ کر کے دوسرے بچوں کو اس سے بچا سکیں۔

کہتے ہیں: ''استاد نے میرے بچے کو الو کا پٹھا کہا ہے۔''

''آپ خود ہی بتایئے اس کا کیا مطلب بنتا ہے؟ اس نے باپ کو تو الو بنا ہی دیا۔ پٹھا اولاد کے معنی میں آگیا۔ لہٰذا اس نے ایک ہی زبان میں مجھے بھی گالی دی اور میرے بچے کو بھی گالی دی۔''

اپنے بچوں کو برا بھلا کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کیوں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''قِتَالُ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ كُفْرٌ، وَسِبَابُهُ فِسْقٌ.... کسی مسلمان کو قتل کرنا کفر کی مانند، جبکہ اسے گالی دینا فسق اور کھلا گناہ ہے۔''☆

☆سنن الترمذی: 21/5، داراحیاء التراث، بیروت

اب ایسا استاد جسے اپنی زبان پر قابو نہیں وہ بچے کی تربیت کیا کرے گا؟ یہ تو مدرسین کے نزدیک ایک ہلکا سا لفظ ہے۔ استاد درسگاہ میں بچوں سے مخاطب ہو کر کہتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ، کتا، گدھا، خبیث..... اس قسم کے الفاظ تو کسی زمرے میں نہیں آتے۔ اسی طرح پر ''کتے کا بچہ'' بھی بعض کا تکیہ کلام بن چکا ہوتا ہے۔ ناراض نہ ہوں...... آپ کی برادری کا ہی ایک فرد ہونے کے ناتے اپنے مشاہدات آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ جو کچھ میں نے سنایا مجھے کہیں دیکھنے کا موقع ملا، اس کی روشنی میں یہ سب گلے شکوے عرض ہیں۔ ضروری نہیں یہ باتیں آپ میں بھی پائی جاتی ہوں۔ ہوسکتا ہے آپ ان آلائشوں سے صاف ہوں۔ اللہ کرے، ہم سب ان چیزوں سے پاک ہو جائیں۔

بہر حال! خود ذرا کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر اس کا مراقبہ کریں۔ سوچیں کہ جو لوگ اتنے جذبات لے کر اپنے بچوں کو ہمارے ہاں داخل کرواتے ہیں، مگر پھر ہماری ہی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے متنفر ہو کر دوبارہ اسی معاشرے کا رخ کر لیتے ہیں، اس کا ذمہ دار کون ہے؟

اور یہ تو بڑی ہی شرمناک بات ہے۔ ایک معلم کے پاس ایک طالب علم آیا ہے۔ اس کے والد اس کو چھوڑ گئے ہیں۔ معلم نے اسے غلط نظروں سے دیکھ لیا۔ دل میں غلط خیال رکھا یا زبان سے کوئی ناشائستہ اور اخلاق سے گری ہوئی بات کہہ دی۔ اب وہ گھر جا کر بات کرتا ہے کہ استاد جی نے یہ بات کہی ہے۔ وہ ہمارے شعبے کے لیے بدنامی کا باعث ہوگا۔ ظاہر ہے وہ شخص تو اب بچے کو یہاں کبھی نہیں بھیجے گا۔ بچہ جو تعلیم سے محروم ہو گیا وہ اپنی جگہ، لیکن اس کا جو ذہن بن جائے گا، وہ سوچے گا کیا معلمین قرآن ایسے ہوتے ہیں؟ ان کے اخلاق اس قدر گرے ہوئے ہیں؟ ان کا کردار یہ ہوتا ہے؟ اور پھر وہ کتنے لوگوں تک یہ بات پہنچائے گا، اس نقصان کا ازالہ کون کرے گا؟؟

موبائل فون کا بے جا استعمال

آج کے اس دور میں آزادی کی ہوا جہاں تمام طبقوں میں چل رہی ہے، مدرسین پر بھی اس کے بہت گہرے اثرات واقع ہوئے ہیں۔ایک استاد کے لیے اپنے آپ کو پوری طرح پر دل و دماغ کی حاضری کے ساتھ درس گاہ کے لیے وقف کرنا آج جتنا بڑا مسئلہ ہے، اس سے پہلے نہیں تھا۔ذہنی انتشار کے جتنے ذرائع آج میسّر ہیں، کبھی نہ تھے۔

ان میں سے آج کل کی سب سے بڑی مصیبت ''موبائل فون'' ہے۔ میں سمجھتا ہوں مدرسین کی تمام صلاحیتوں کو اس نے سلب کرلیا ہے۔ایک حد تک یہ ضرورت بھی ہے اور مفید بھی۔مگر تعلیم کے دوران مدرس کے پاس اس کا ہونا اور اس وقت میں اس کو استعمال میں لانا انتہائی خطرناک ہے۔میں یہ اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ بعض مدرسین محنت بھی کرتے ہیں۔ وقت بھی دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود درسگاہ میں ترقی نہیں ہے۔منزلیں یاد نہیں ہیں۔ بچے تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ میں تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں کہ اس کے پیچھے یہی چیز کارفرما ہے۔اس معاملے میں بعض مدرسین میں یہاں تک بھی گراوٹ آگئی ہے کہ درس گاہ میں بیٹھ گئے ہیں، پڑھائی شروع ہوچکی ہے، لڑکوں کو کام میں لگا رکھا ہے، مگر خود ہمہ تن موبائل فون میں منہمک ہیں۔کسی کا فون آیا، وہ سن لیا یا کہیں کرلیا، یہ تو ایک معمولی چیز سمجھی جاتی ہے۔ مگر یہاں صورت حال بہت مختلف ہوتی ہے۔اس وقت موبائل میں موجود دیگر خرافات، ویڈیو، آڈیو، انٹرنیٹ، کرکٹ کی کمنٹری، ایس ایم ایس اور گیمیں وغیرہ، وہ سب یہاں درس گاہ میں کھیلی جاتی ہیں۔

ہمیں اس قسم کی شکایات کافی موصول ہوتی ہیں۔جب ایک مدرس درسگاہ میں اس چیز کو ساتھ لے کر آئے گا، یہاں آکر ان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ مجھے نہیں معلوم اس کی

درس گاہ میں کیسے ترقی ہوگی؟ کیونکر وہ بچوں کی مقدار خواندگی کنٹرول کر سکے گا؟ کیسے ایسا مدرس بچوں کو منزلیں یاد رکھوانے میں کامیاب ہوگا؟ اس لیے اول تو اساتذہ خود ہی اس چیز کا اہتمام فرمائیں۔ ''بصورتِ دیگر'' ناظمین حضرات کوشش کر کے پابندی کے درجے میں یہ لاگو کریں کہ درس گاہ میں جانے سے پہلے مدرس اپنا موبائل فون دفتر نظامت میں جمع کرا دے۔ جب واپس جائے تو وہاں سے اسے واپس لیتا جائے۔ یا اس کے علاوہ ذمہ داران اپنے علاقے اور ادارے کے حالات کے اعتبار سے جو بھی اس کے لیے بہتر صورت مناسب خیال فرمائیں، وہ طے کرلیں۔

اس کے سنگین نتائج کے پیشِ نظر اس حوالے سے سختی کی ضرورت ہے۔ آپس کی بات ہے، خود ہی بتایئے! جس شخص کا تعلق اپنی درس گاہ سے اس قدر محدود ہو۔ اکثر وقت وہ دماغی طور پر باہر رہتا ہو، کیا وہ درس گاہ میں بیٹھ کر درس گاہ کا حق ادا کر سکے گا؟ نہیں کر سکتا! ہم جب اپنے بڑے حضرات کو دیکھتے ہیں، ان کے کاموں میں اتنی برکت تھی۔ ان کے پڑھائے ہوئے اتنے مضبوط ہوتے تھے کہ قرآن پاک خوب یاد ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے انہوں نے اپنے آپ کو کام کے لیے یکسو کرلیا تھا۔ یہ بات نہیں کہ ہم میں قابلیت نہیں ہے۔ صلاحیتیں موجود ہیں۔ طلبہ بھی نیک اور بات ماننے والے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں سکون اور یکسوئی... جو ایک مدرس کے لیے ضروری ہوتی ہیں.... کو برباد کرنے والی ہیں۔ ان چیزوں نے معیار کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا ان لایعنی اور فضول کاموں سے اپنے آپ کو اور طلبہ کو بھی دور رکھیں۔

غیر متعلقہ سرگرمیاں

ویسے تو آج کل موبائل آجانے کی وجہ سے خط وکتابت کا معمول کم ہوگیا ہے۔ تاہم پھر بھی بہت سے مدرس اپنی خط وکتابت کی عادت درس گاہ کے اوقات میں ہی پوری کرتے ہیں۔ اپنے کسی دوست کا خط آیا ہے، کسی عزیز نے انہیں یاد کیا ہے، گھر سے والدین نے خیریت دریافت کی ہے، اس قسم کے تمام خطوط کا جواب مدرس درس گاہ میں ہی لکھنے کو ترجیح دیتا ہے۔

یہ بھی دیکھا جاتا ہے، بعض اساتذہ کرام جب درسگاہ میں آتے ہیں تو اخبار ان کی جیب میں ہوتا ہے۔ آج کی تازہ خبریں پڑھنا ان کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس عادت کو پورا کرنے کے لیے کبھی تو ہوشیاری سے کام لے کر چھپ چھپا کر پڑھ لیتے ہیں۔ کبھی دلیری دکھاتے ہوئے اخبار کھول کر سامنے دھر لیتے ہیں۔ یہ فرضی باتیں نہیں بلکہ مشاہدات ہیں۔ اب جو مدرس صبح ہی سے ایسے جذبات لے کر درس گاہ میں داخل ہوا۔ کام کے آغاز سے ہی اس نے لائن سے ہٹ کر چلنا شروع کیا ہے، اس کا سارا دن کس طرح گزرے گا؟ اس کے نتائج کس قسم کے ہوں گے؟ یہ کسی سے مخفی نہیں۔

آج کل مکاتب قرآنیہ میں درس گاہ کے اوقات کہیں صبح سے لے کر ظہر تک ہوتے ہیں تو کہیں چار بجے تک اور کسی جگہ عشا تک ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اوقات اس کے پاس فارغ ہیں۔ اس طرح کے تمام کام عصر کے بعد یا عشا کے بعد بھی کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن آج کا مدرس یہ سب کچھ درسگاہ کے وقت میں کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے.... ایک تو یہ ہے کہ یہ مدرس غلطی کرے اور مانے بھی، نگران کا طرزِ عمل کچھ ایسا ہوتا ہے جیسے وہ یہ وہ باور کرانا چاہتا ہے کہ یہ میرا حق ہے۔ موبائل رکھنا، بات چیت کرنا، یہاں بیٹھ کے اخبار پڑھنا میرا حق ہے۔ اس سے مجھے کیوں روکا جاتا ہے؟ یہ وہ خطرناک چیزیں ہیں، جو مدرسین میں در آئی ہیں۔ یہ آج کل کے

تعلیمی حالات کو بگاڑنے میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔

یہ بات اصول کے درجے میں ذہن میں رکھ لیں:

''ایک مدرس اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ بچوں کے پورے وقت کو امانت نہ سمجھے۔ ہر لمحہ اس کے پیش نظر یہ بات رہے کہ بچوں کا وقت میرے پاس امانت ہے۔ بچوں سے وقت کے اندر کام نہ کروانا ایک پرلے درجے کی خیانت ہوگی۔'' (امداد الفتاویٰ بفرق یسیر 355/3)

جب مدرس اس بات کو پلے باندھ کر چلے گا کہ ایسا کرنا ایک بدترین خیانت ہے تو یقیناً وہ کچھ نہ کچھ خیال کرے گا۔

طلبہ سے خدمت لینا

استاد کی خدمت کرنا ہر طالب علم کی خواہش بھی ہوتی ہے اور اس کی تربیت کا حصہ بھی۔ اس لیے اسے بالکل ممنوع تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تاہم اس میں بھی بسا اوقات بے اعتدالی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ پیش نظر رہے کہ بے ریش بچوں سے (جن کی داڑھی نہیں آئی) ہرگز خدمت نہ لی جائے۔ شیطان مردود کو اپنے پاس پھٹکنے کا موقع ہی نہ دیں۔ آدمی کو اپنی ذات پر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو، بدنامی کے دھبے سے کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجرِی مِنَ الاِنسَانِ مَجرَی الدَّمِ." (مصنف ابن ابی شیبة 480/15)

''بلاشبہ شیطان انسان کے اندر، رگوں میں خون کے دوڑنے کی طرح دوڑتا ہے۔''

اپنے اسلاف کے طرز عمل کو دیکھیے۔ حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خلوت خانے میں نابالغوں کا داخلہ ممنوع کر رکھا تھا۔ ☆

حضرت کے تقوی وطہارت کے مقام کو دیکھیے اور اپنے حال پر نظر کیجیے۔ اس سے بھی عظیم مثال حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ فقہ حنفی کے بہت بڑے امام حضرت امام محمد رحمہ اللہ بہت چھوٹی عمر میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس پڑھنے لگے تھے۔ آپ رحمہ اللہ بڑے حسین اور صاحب جمال تھے۔ ایک دن کتاب کھولے سامنے بیٹھے تھے کہ امام صاحب کی نظر ان پر پڑی۔ فرمایا: جب تک آپ کی داڑھی نہیں آجاتی آپ میرے پیچھے بیٹھ کر سبق پڑھا کرو! امام محمد نے ایسا ہی کیا۔ کسی روز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نظر اچانک پڑی تو دھوپ پڑنے کی وجہ سے امام محمد کی داڑھی کا سایہ نظر آیا۔ اس کے بعد امام صاحب نے امام محمد رحمہ اللہ کو سامنے

☆ تحفة العلماء: 139/2

بیٹھنے کی اجازت عطا فرمادی۔☆

غور کیجیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کس قدر احتیاط فرمائی۔ سالہا سال تک امام محمد جیسے ذہین شاگرد کو سامنے نہ بٹھایا۔ یہ اسی احتیاط اور تقوے کی ہی برکتیں تھیں کہ استاد بھی امام تھے اور فرماں بردار شاگرد بھی اپنے وقت کا امام بنا۔ شیطان آپ کو جتنے بھی مضبوط دلائل سے اس بات پر آمادہ کرے، آپ نے بس اسی بات کو سوچنا ہے کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں گے۔ دین کی بہت خدمت لیں گے۔

بڑے طلبہ میں سے بھی ان سے خدمت لیں جو اپنا کام پورا کر سکیں۔ کمزور طلبہ سے خدمت نہ لی جائے۔ ان کی علمی کمزوری کو دور کرنا یہ ہمارا پہلا فرض ہے۔ کسی بھی طالب علم سے خدمت لیں تو اس کی تعلیم کا بھی خوب خیال رکھیں۔ اب ایسی سوچ ہمارے مدرسین سے رخصت ہوتی جارہی ہے۔ پہلے اساتذہ کا دستور تھا کہ تعلیم میں کمزور طلبہ سے خدمت نہ لیتے تھے۔ اب معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ ایسے طلبہ کو پڑھائی کے علاوہ ہر کام کے لیے فارغ رکھا جاتا ہے۔ مزید افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اگر ایک طالب سے استاد خدمت لیتے ہیں تو دوسرے اساتذہ بھی اسی سے خدمت لینا شروع کر دیتے ہیں، تاکہ رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے۔

ایک فارغ التحصیل طالب علم کا واقعہ سامنے آیا۔ جو علم میں کمزور رہ جانے پر اپنے ان اساتذہ سے نالاں تھا جو اسے خدمت پر مامور رکھتے تھے۔ اس کا کہنا تھا میں خدمت کے شوق میں امتحانات کے دنوں میں بھی کوئی خاص محنت نہ کرتا تھا۔ یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا کہ استاد جی کی دعا سے میں پاس ہو جاؤں گا۔ یوں وہ خدمت کو محنت پر ترجیح دیتا رہا۔ اس لیے مدرسین، خدمت کے لیے ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر طالب علم کا انتخاب کیا کریں۔ کسی بھی طالب علم کی تعلیم کا حرج نہ ہونے پائے۔

یہ معمول بھی عام ہوتا جارہا ہے کوئی طالب علم خوش آواز ہے۔ تلاوت اچھی کرتا ہے۔ اسی

☆ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حیرت انگیز واقعات: 64

طرح پر کوئی نعت اچھی پڑھ لیتا ہے۔ اس قسم کے بچے بھی انہی چیزوں کے لیے وقف رہتے ہیں۔ اس سے ان کی تعلیم کا حرج ہوتا ہے۔ تربیت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ منتظمین اور اساتذہ دونوں اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بھی خارجی مصروفیت کی وجہ سے کسی طالب علم کے مقصد اصلی تعلیم و تربیت کا نقصان تو نہیں ہو رہا؟ اس بات کو تو بالکل ہی معیوب نہیں سمجھا جاتا کہ مہمانوں کی آمد پر ان کی خدمت کے سلسلے میں اساتذہ وطلبہ کی تعلیم یا تدریس کا حرج ہو رہا ہو۔ درس گاہ کا بے دریغ وقت اسی میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ یہ بالکل درست نہیں ہے۔

حضرت تھانویؒ کے استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانویؒ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت نے اپنے استاد محترم کی راحت و آرام کے مکمل انتظامات کیے۔ جب تصنیف و تالیف کے معمول کا وقت آیا تو اپنے استاد محترم سے اجازت چاہی کہ ''حضرت اس وقت کچھ لکھنے کا معمول ہے۔ حضرت اجازت دیں تو کچھ لکھ لوں؟ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے بخوشی اجازت عطا فرمادی۔

اس واقعے کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند جیسی شخصیت مہمان بن کے آئی۔ حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم صفات والا انسان ان کے آداب کو بہتر سمجھتا تھا۔ مگر ان حضرات نے مہمانی و میزبانی کی وجہ سے اپنے معمول اور تعلیم کا حرج نہ ہونے دیا۔ ہمارے مہمان حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اہم نہیں ہو سکتے اور ہم حضرت تھانویؒ سے زیادہ مہمان کی اہمیت کو سمجھنے والے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا استاد کی خدمت، نعت خوانی یا مہمان کی آمد کی خاطر اپنی تعلیم کا حرج کبھی نہ ہونے دیں۔

☆☆☆

چوتھا باب

تدریسِ قرآن

ابتدائی قاعدے سے فارغ التحصیل ہونے تک

ابتدائی قاعدہ

پہلی بات:

''قاعدہ'' پڑھانے کا مقصد بچے کے اندر یہ استعداد پیدا کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک کے الفاظ کے ہجے کر سکے اور حروف کو ان کے مخارج سے صحیح طریقے سے ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔☆

حفظ کے شعبے میں بنیادی مشق کا یہ کام ذرا محنت طلب ہوتا ہے۔ طالب علم کو بار بار ''کہلوانا'' پڑتا ہے۔ صرف طریقہ بتا دینا کہ بھئی! اس طرح ادا کرلو، ہجے کرنے کا قاعدہ یہ ہے، وغیرہ.....اس طرح بچہ کبھی ادا نہیں کر سکے گا۔ اس کی ایک آسان ترکیب یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس مثال کے طور پر 20 بچے ہیں۔ ان بیس میں سے آپ نے محنت کر کے پانچ کو تیار کر لیا ہے۔ اب آپ ان کو اپنا معاون بنا سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے، مثلاً: ایک بچے کو آپ نے، ت، ث، ح بالکل صحیح کروادی ہے۔ چند دوسرے طلبا ہیں جو ابھی تک ان حروف کی صحیح ادائیگی پر قادر نہیں ہو سکے۔ اب پہلی قسم کے بچوں میں سے ایک کو اپنے پاس بٹھا لیں اور جن کی تصحیح کروانی ہے، ان میں سے ایک، دو یا تین کو اس کے پاس بٹھا دیں۔ وہ بیٹھ کے ان سب کو کہلواتا رہے۔ جب بچہ بار بار صحیح تلفظ کے ساتھ ایک حرف کو سنے گا، پھر متعدد مرتبہ خود کہے گا، تو آپ دیکھیں گے کہ تھوڑی دیر یا کچھ ہی عرصے کے بعد مختصر سی محنت کے نتیجے میں اپنی کمزوری پر قابو

☆قال العلامة الجزری رحمه الله: والأخذ بالتجويد حتم لازم – من لم يجود القرآن آثم؛ لأنه به الاله أنزلا – وهكذا منه الينا وصلا، وهو أيضاً حلية التلاوة – وزينة الأداء والقراءة، وهو اعطاء الحروف حقها– من صفة لها ومستحقها. (المقدمة الجزرية، باب معرفة التجويد:8)

پالے گا۔اس طالب علم کے حرفوں کی ادائیگی بالکل صحیح ہو جائے گی۔

دوسری بات:

آج عام طور پر استاد کے اوپر یہ بات غالب ہوتی ہے کہ بچے کو سبق دے دیا اور پنسل سے نشان لگا دیا۔ایک دو دفعہ کہلوا دیا:''ب،ت،ث،ج،ح''

''چلو بھئی! یاد کرو جا کے۔''

اب بچہ جا کر بیٹھ گیا۔اسے کچھ پتہ نہیں ہے میں نے کیا کرنا ہے؟کھیل رہا ہے۔لاپروائی سے کبھی ادھر، کبھی ادھر دیکھ رہا ہے۔دو چار گھنٹے کے بعد استاد اس کو بلائے گا۔

''ہاں بھئی سناؤ!''

بتائیے! کیا اب اسے یاد ہوگا؟نہیں یاد ہوگا اس کو!

لہٰذا اس کو مصروف کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے جن بچوں کا صحیح ہو چکا ہے،اسے ان کے ساتھ جوڑ دو۔وہ انہیں کہلواتا رہے گا، یہ کہتے رہیں گے۔اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ان بچوں کا وقت ضائع نہیں ہوگا، قیمتی بنے گا۔دوسرا ایسا بچہ کھیلنے اور درسگاہ کا ماحول خراب کرنے سے باز رہے گا۔تیسرا، ایک یا دو گھنٹے کے بعد جب آپ اسے بلائیں گے تو صحیح یاد ہونے پر آپ کو غصہ بھی نہ آئے گا اور وہ ڈانٹ ڈپٹ سے محفوظ رہے گا۔

پہلی صورت میں جب آپ نے اسے کلاس میں اپنے حال پر چھوڑ دیا، پھر سبق یاد نہ کرنے، شرارتیں کرنے اور درسگاہ کا ماحول خراب کرنے پر آپ ناراض ہو رہے ہیں تو اس میں بچے کا قصور نہیں ہے۔یہ کوتاہی خود استاد کی ہے کہ اس نے بچے سے صحیح طریقے سے کام کیوں نہیں لیا۔

☆☆☆

ناظرہ پڑھنے کی استعداد پیدا کرنا

پہلی ہدایت:

''قاعدہ'' ختم ہوتے ہی آپ بچے کو پارہ عم شروع کروائیں گے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے اس چیز کو یقینی بنائیں کہ بچے کا پورا قرآن پاک، نہیں تو کم سے کم ایک یا دو پارے مکمل ہجوں اور جوڑوں کے ساتھ نکلوائیں۔ مثال کے طور پر ''اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم''، ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کے جوڑ پوری طرح کروائیں۔ اس ابتدائی مشق کے نتیجے میں اگر محسوس ہو کہ طالب علم جوڑ اٹھانے اور ہجا کرنے میں ناکام ہے تو سمجھ لو کہ استاد نے قاعدے پر صحیح محنت نہیں کی ہے۔☆

اب اس کا یہ حل نہیں کہ بچے کو دوبارہ سے قاعدے پر لگا دو۔ اس سے بچہ بھی بد دل ہو جائے گا۔ والدین کے جذبات کو بھی ٹھیس پہنچے گی۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوں گے اتنے مہینے کے بعد تو بچے نے قاعدہ ختم کیا ہے۔ پھر پارہ شروع کروایا گیا، مگر اسے جوڑ نہیں آ رہے۔ اب دوبارہ یہ قاعدے پر لگ جائے گا۔

اس کا حل یہ ہے کہ اسے یہ کہا جائے آپ کا قاعدہ تو الحمدللہ مکمل ہو گیا ہے، مگر ہم پارہ شروع کرنے سے پہلے دو، تین تختیوں کی آپ کو دوبارہ مشق کروانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد اسے پہلے حرکات کی بنیادی تختی کی مشق کروائیں۔ اس کے بعد تنوین کی تختی پر محنت کروائیں۔ پھر حرکات، تنوین کی مشق جس تختی میں ہے، اس پر تھوڑی سی محنت کروائیں۔ ان تین تختیوں کے بعد قرآن پاک پر ہجے کرنا مشکل نہیں رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆قال العلامة الجزری رحمه الله تعالی: ولیس بینه[التجوید]و بین ترکه — الا ریاضةامرئ بفکه. (المقدمة الجزریة، باب معرفة التجوید:8)

دوسری ہدایت:

کسی بھی بچے کا قاعدہ پورے ہونے پر قرآن پاک پر اس کے ہجے کروانا ضروری ہے۔ جو مدرس ہجے کروائے بغیر آگے لے کر چلتا ہے، وہ یہ یقین کر لے کہ طالب علم پورے 10 پارے بھی حفظ کر لے، اس کے اندر یہ استعداد پیدا نہیں ہو سکے گی کہ بچے کو کسی نئی جگہ سے نکال کر پڑھنے کے لیے کہا جائے اور وہ اسے اپنے آپ پڑھ سکے۔ ایسے بہت سے بچے دیکھے، جنہیں دس پارے پورے ہونے کے باوجود گیارہویں پارے سے پڑھنے کے لیے کہا گیا، مگر وہ ایک سطر نہ پڑھ سکے۔

تیسری ہدایت:

سبق حفظ یاد کرنے سے پہلے بچے کو ناظرہ اچھی طرح یاد کروانا.... تاکہ کہیں بے دھیانی میں غلط طریقے سے نہ رٹ لے.... ضروری ہوتا ہے۔ اسے قرّا کی اصطلاح میں ''مطالعہ نکالنا'' کہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے عام طور پر دو طریقے رائج ہیں:

بعض جگہ تو قاعدے کے بعد آدھا پارہ یا ایک پارہ پڑھنے کے بعد پہلے پورا قرآن پاک ''ناظرہ'' پڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مفید ہے۔ اچھا ہے، لیکن اس کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ بچے کے اندر ابتدائی استعداد پیدا نہیں کی گئی ہوتی۔ اگر ہجا کے ساتھ قاعدہ پوری محنت سے پڑھا کر استعداد مضبوط کر لی جائے، اس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ پہلے ایک لمبا عرصہ خرچ کر کے ناظرہ قرآن پاک نہیں پڑھانا پڑتا۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بچہ ہر روز کے سبق کو ساتھ ساتھ مطالعے کے ذریعے حل کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے۔

چوتھی ہدایت:

آج کل جو ایک نئی صورت اور پیدا ہو گئی ہے کہ بعض پارے مارکیٹ میں ایسے آ گئے ہیں، ان میں کچھ نشانات دیے ہوئے ہیں۔ فلاں رنگ حرف کے ''پُر'' ہونے کی علامت ہے۔ فلاں رنگ جہاں لگایا گیا ہے۔ یہ حرف ''باریک'' ہوگا۔ فلاں جگہ اس طرح ہوگا تو یہاں ''غنہ'' کیا

جائے گا۔ اس چیز نے تو استاد کی محنت کی عادت کو بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔ استاد اتنا کہہ کر فارغ ہو جاتا ہے:

''دیکھو بھئی! جہاں یہ نشان ہو، وہاں غنہ کر لینا اور جس جگہ یہ علامت ہو وہاں حرف کو ''پُر'' پڑھ لینا۔''

اتنا کہنے کے بعد استاد سمجھتا ہے، میری ذمہ داری کوئی نہیں رہی۔ نشانات کے مطابق بچہ خود ہی سمجھ لے گا۔ اس بارے میں ہر ایک کا نظریہ اپنا اپنا ہو سکتا ہے۔ میرا نکتہ نظر اس بارے میں یہ ہے کہ اس قسم کے قاعدے، پارے اور قرآن پاک مارکیٹ میں آنے کی وجہ سے پڑھنے پڑھانے کے سلسلے میں بچوں کی استعداد بالکل ختم ہو رہی ہے۔ لہٰذا حفظ کے بچوں کو ایسے قرآن پاک پر پڑھنے سے منع کرنا چاہیے۔ ناظمین اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ مدرسین کرام کو بچوں کے لیے سادہ قاعدے اور پارے مہیا کیے جائیں۔ ایسے قرآن پاک کو حفظ کے بچوں کے لیے ممنوع قرار دیا جائے جن میں مختلف رنگوں کے ذریعے غنہ، باریک، پُر حروف اور قلقلہ وغیرہ کی نشاندہی کی گئی ہو۔

پانچویں ہدایت:

سادہ قرآن یا پاروں پر ناظرہ نکلوانے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے مثال کے طور پر شروع کرایا: ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' آپ دو مختلف رنگوں کی پنسلیں ہاتھ میں لیں۔ ہمارے ہاں نیلی اور سرخ پنسل کا رواج ہے۔ ''پُر'' حرف پر سرخ نشان لگایا جاتا ہے۔ ''باریک'' کی نشاندہی کے لیے حرف پر نیلے رنگ کے ساتھ علامت لگائی جاتی ہے۔ جہاں غنہ بتانا مقصود ہو، وہاں ایک کاٹے کا نشان لگا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح اپنی صوابدید سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرتے ہوئے پہلے استاد خود نشان لگائے۔ اس دوران بچہ اسے دیکھ رہا ہو، استاد بچے کو سمجھاتا اور تربیت دیتا رہے۔ ایک پاؤ تک ہر چیز بتا کر خود نشان لگانے کے بعد بچے سے کہے:

''لو بھئی! ایک پاؤ میں نے حل کروا دیا ہے، اب اگلی ایک سطر کے نشان خود لگاؤ کہ کون سا

حرف باریک ہے، کون سا "پُر" ہے، کہاں غنہ ہے اور کہاں پر نہیں ہے؟"

اس بچے سے ایک پارے کے ختم تک اسی طرح پر نشانات لگواتا جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ بچہ جس کو عمومی طور پر تجوید کے مسائل کا پتہ نہیں ہے، موٹی موٹی دو چار چیزیں بتانے کے بعد وہ ہر حرف کے بارے میں بذات خود فیصلہ کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔

جب استاد کی توجہ اور محنت سے بچے کی مسلسل کوشش کے بعد اس میں یہ استعداد پیدا ہو گئی تو اب اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بچہ خود بخود چلنے لگے گا۔ ہر مطالعے کے وقت آدھا آدھا گھنٹہ صرف کرنے اور زیادہ مشقت اٹھانے کے بجائے شروع میں اچھی طرح محنت کروا دی جائے تو یہ استعداد آخر تک کام آتی رہے گی۔

چھٹی ہدایت:

بعض بچے......سَو میں سے کوئی دو......ایسے ہوتے ہیں کہ ایک پارہ، ہجا سے پڑھنے کے بعد بھی ان کے اندر یہ استعداد پیدا نہیں ہوتی کہ وہ آگے مطالعہ نکال سکیں۔ ایسی صورت میں آپ دوسرا پارہ بھی اس طرز پر نکلوائیں۔ ایک پارے پر بس نہ کریں۔ ہمارے پاس بعض بچے ایسے بھی آئے کہ ہم نے ان کو پانچ، پانچ پارے ہجا سے پڑھائے، تب جا کے ان کے اندر یہ صلاحیت واستعداد پیدا ہوئی کہ وہ خود بخود قرآن پاک کا مطالعہ نکال سکیں۔

مطالعہ پڑھانا

طریقہ:

بچے کو جتنا بھی سبق دینا مقصود ہو، چار سطریں یا پانچ لائنیں، ان پر پہلے سے نشانات لگائے جائیں۔ پھر آپ کے طلبہ میں سے جو ہوشیار ہیں، جو اس کام پر آچکے ہیں۔ اور ان کا اپنا کام بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ ان کے سامنے دو، چار بچوں کو بٹھا دیں۔ پہلے والے بچوں سے کہیں کہ تین، چار سطروں کے جوڑ ان بچوں کے سن کر لائیں۔ صرف جوڑ نہیں، بلکہ ایک آیت کے جوڑ کرانے کے بعد وہ اس کو رواں بھی پوری طرح پڑھے۔ جب اس کا جوڑ و رواں چار سطروں کا پورا ہو جائے تو ایک، دو بچے اپنے پاس ایسے رکھیں کہ وہ ان کا رواں سنیں اور جو غلطی ہے غنے کی، مد کی، باریک کی.... وہ نشاندہی کر کے لائیں۔ جب اتنا کام ہو جائے، پھر اس کے بعد استاد کے پاس مطالعہ پڑھنے کے لیے وہ بچہ آئے.... یعنی.... استاد تک آنے کے لیے دو مرحلوں سے پہلے گزر کر آئے۔ پھر استاد اس کا سنے۔ اگر پیچھے ان دونوں کے پاس کوئی غلطی رہ گئی ہے تو اس کی نشاندہی کرے۔ اس کے بعد استاد باقاعدہ اس سبق کو کہلوائے۔ بچے سے کہے:

''جو میں کہلوا رہا ہوں، وہاں پر تیری نظر بھی ہو''۔

''تیری انگلی بھی وہاں پر ہو اور اس کو دھیان سے سن!''

اتنا کام کرنے کے بعد وہ بچے سے کہے:

''اب اس سبق کو تین دفعہ یہاں بیٹھ کر کہو۔''

بیداری کا ثبوت دیں:

مقصد یہ ہے کہ بچے کو آگے جو سبق دینا ہے، اس سے پہلے کہ بچہ اسے یاد کرنا شروع کرے، اس کا ناظرہ اتنا صحیح ہو جائے کہ اس میں کسی قسم کی غلطی کی گنجائش نہ رہے۔ نہ حرفوں کی،

نہ زیر، زبر کی۔ نہ ہی کوئی اور پختہ غلطی۔ اگر آپ نے مطالعہ میں اس کی غلطیاں باقی رہنے دیں تو معلوم ہے آپ کو؟ بچہ اس کو تھوڑے ہی وقت میں کس قدر پختہ کر لے گا!

بچے کو سبق یاد کرنے کے لیے کئی کئی دفعہ ایک ہی آیت کو دہرانا پڑتا ہے۔ بیس بیس اور چالیس چالیس مرتبہ۔ اگر اس کا پہلے سے غلط یاد ہے تو وہ جب اسے زبانی یاد کرنا شروع کرے گا تو اس کی وہ غلطی بالکل... مکمل... پختہ اس کے ذہن میں بیٹھ جائے گی۔ یہ حفظ کے شعبے میں اتنا بڑا نقصان ہوتا ہے کہ اس کا ازالہ بعض دفعہ تو پوری زندگی نہیں ہوتا۔ بہر حال! مطالعہ پڑھانے کے اس مذکورہ طریقے کو مضبوطی کے ساتھ اپنانے کی ضرورت ہے... لیکن افسوس! آج استاد اس پر پورا نہیں اتر رہے۔

حفظ کروانا

مختلف استعداد کے طلبہ:

سبق یاد کرنے میں بچوں کے ذہن مختلف ہیں۔ بعض بچے باصلاحیت ہوتے ہیں۔ انہیں طریقہ بتادو کہ اس طرح سبق یاد کرنا ہے، وہ خود بخود سبق یاد کر کے سنا دیتے ہیں۔ دوسرے بعض وہ ہوتے ہیں جو صبح سے لے کر شام تک، رات سے لے کر صبح تک بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ خود سبق یاد کرتے ہی نہیں۔ وہ کوشش کر کے بھی یاد کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔ ایسے طلبہ کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ اس قسم کے بچوں کے لیے ہم جس کامیاب تجربے سے گزرے اور انہیں یاد کروایا وہ کچھ اسطرح ہے:

ایسے بچوں کو عام طریقے سے ہٹ کر اپنے پاس بٹھالیا جائے۔ ایک سطر کے تین چار حصے کر کے تھوڑا سا یاد کروایا جائے۔ مثلاً: "تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ" بس اتنا ہی اسے یاد کروادیا۔ آپ کے بار بار کہلوانے سے اسے یاد ہو گیا۔ اب اسے کہیں کہ تین چار دفعہ دیکھ کر دہرائے۔ پانچ، چھ دفعہ زبانی کہے۔ جب اسے پورا اچھی طرح یاد ہو جائے تو اس کا سنو۔ وہ آپ کے پاس آ کر اونچی آواز سے سنائے۔

اب اسی آیت کے اگلے ٹکڑے کے طرف بڑھ جایئے! اسے کہیں: دیکھو! آگے کیا ہے؟ وہ آپ کو پڑھ کر سنائے گا: "وَهُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" اسے کہے کہ تین دفعہ اسے دیکھ کر پڑھے۔ جب یاد کر لے تو اب دونوں ٹکڑوں کو ملا کر یاد کرنے کا حکم دیں۔ پھر ملا کر اس سے سنیں۔ اس کے بعد یہی عمل اگلی چند آیتوں تک جاری رہے۔ اس قدر یاد کروانے کے بعد اس پر لازم کریں کہ اسی طریقے کے مطابق سبق کو مکمل کر لے۔

مشکل مگر مفید:

آپ کہیں گے یہ تو بڑا مشکل نسخہ بتایا جا رہا ہے، ایسا تو ہم سے نہیں ہوگا۔ لیکن بعض مریضوں کو کڑوی دوا پلانی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر کام چلتا نہیں ہے۔ ایسے بچے پر ایک بار آپ کو مسلط ہونا پڑے گا۔ اگر استاد مسلط نہیں ہوگا تو یہ بچہ بالکل سبق یاد نہیں کرے گا۔ اس طرح کے بچوں کو اگر اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی جگہ پر 4 سطریں، 4 گھنٹے میں بھی یاد نہیں کرے گا۔ تاہم اگر آپ انہیں مذکورہ طریقے کے مطابق سبق یاد کروائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ بچہ جو چار گھنٹے بعد سبق سنانے کے لیے آتا ہے، آپ کو آدھے گھنٹے میں لا کر سنا دے گا۔

آپ ایک، دو ہفتہ اس کے ساتھ اسی طرح پر محنت کریں۔ اس کو سبق یاد کرنے کا طریقہ آجائے گا۔ اسے پتہ چل جائے گا میں نے سبق کیسے یاد کرنا ہے۔ اسے احساس ہو جائے گا کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھتا ہوں، مجھے 4 گھنٹے میں سبق یاد نہیں ہوتا اور یہاں میرا آدھے گھنٹے میں یاد ہو گیا۔ اسے استاد کہہ دے کہ تو وہاں پر بیٹھ کر توجہ سے یاد نہیں کرتا۔ اسی لیے تجھے یاد نہیں ہوتا۔ یہاں تیرا آدھے گھنٹے میں کیسے یاد ہو گیا؟

اس جز وقتی محنت کی وجہ سے طالب علم .... ان شاء اللہ .... جب لائن پر آجائے گا تو جب تک وہ بچہ حفظ کرتا رہے گا، استاد کو آسانی رہے گی۔ چنانچہ جو آج استادوں کو دیکھا جاتا ہے کہ شروع سے آخر تک بچے کے ساتھ کھپ رہے ہیں، مگر بچہ پھر بھی لائن پر نہیں آتا، اس کی بنیادی وجہ ابتدائی محنت کی کمی ہوتی ہے۔

کمزور طلبہ۔ آزمائش بھی، نعمت بھی:

بے شک ایک اٹل حقیقت ہے کہ جس طرح پر حق تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کے رنگ، زبان وغیرہ اعضا مختلف بنائے ہیں اور ان کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔ (سورہ روم)، بعینہ اسی طرح ذہن، حافظے اور سمجھ بوجھ کے اعتبار سے بھی لوگوں، بچوں کو مختلف بنایا ہے۔ مثلاً 30 بچوں کی کلاس میں 25 بچے بالکل درست اور استاد کی عین منشا کے مطابق چل

رہے ہیں اور کام پورا کرتے ہیں، لیکن 5 بچے اسی محنت وتوجہ کے باوجود نہیں چل رہے، استاد کو پریشان کیا ہوا ہے۔ استاد کی درسگاہ کا نتیجہ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ یہ نظام بھی حق تعالی کی عین حکمت وشفقت پر مبنی ہے۔ استاد کے دماغ کو ٹھکانے اور متوازن رکھنے کی اللہ ہی کی طرف سے تدبیر ہے۔

اگر کلاس کا نتیجہ سو فیصد ہوتا اور سو فیصد طلبا ہر لحاظ سے اعلی اور فائق ہوتے تو خطرہ تھا کہ استاد کو اپنی سو فیصد تعلیم وتربیّت پر ناز ہوتا جس کی وجہ سے ڈر تھا کہ استاد تکبّر کا شکار ہو جاتا اور اللہ کی طرف رجوع میں کمی واقع ہو جاتی۔ اب جبکہ 5 طلبا نے استاد کو پریشان کیا ہوا ہے، استاد کی تمام تدابیر ناکام ہو رہی ہیں تو یقیناً استاد کے دل میں یہ بات آنی چاہیے کہ جو 25 طلبا درست لائن پر ہیں وہ بھی میرا کوئی کمال نہیں، اللہ ہی کا فضل وکرم ہے۔ اگر مجھ میں کوئی ذاتی کمال وہنر ہوتا تو یہ 5 طلبا بھی ناکام نہ ہوتے۔ تعلیمی معاملے میں مجھے پریشان نہ کرتے۔ اس لیے استاد کو چاہیے کہ اللہ ہی سے مدد مانگتا رہے۔ نیز ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اور ﴿وَبِکَ نَسْتَعِیْنُ یَافَتَّاحُ یَاعَلِیْمُ﴾ پڑھتا رہے اور مدد مانگتا رہے۔

حافظ ''رنگ والا'' کا قصہ:

استاد اپنی درس گاہ کے امور میں مجتہد ہوتا ہے، چنانچہ یہ چیز استاد کی ذمہ داریوں میں داخل ہے کہ جس قسم کا لڑکا اس کے سامنے آیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ اس سلسلے میں یہ مشہور واقعہ ملاحظہ کیجیے۔ اس قصے میں مدرسین کی اس الجھن کا کامیاب حل موجود ہے کہ کند ذہن بچوں کو کس طرح چلایا جائے۔ حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ نے فرمایا:

''میرے پاس ایک لڑکا ایسا داخل ہوا جو میرے بہت ہی محسن کا لڑکا تھا۔ دینی لحاظ سے بھی محسن اور دنیاوی لحاظ سے بھی۔ فرمایا: میں شروع میں یہاں کافی عرصہ کرائے کے مکان میں رہتا رہا۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: میں آپ کو مکان بنوا دیتا ہوں۔ جب آپ کے پاس پیسے ہوں، تھوڑے تھوڑے کر کے ادا کرتے رہیے گا۔ پھر خود ہی انہوں نے پلاٹ خریدا اور خود ہی مجھے مکان بنوا کر دیا۔ جتنا حساب آیا، وہ مجھے بتا دیا۔ میں قسط وار تنخواہ میں سے کٹواتا

رہا۔کئی سال کے بعد میں اس سے فارغ ہوا۔اس طرح کے اور بہت سارے احسانات ان کے مجھ پر تھے۔پھران کالڑکا پڑھنے کے لیے داخل ہوگیا....یہ بھی اللہ کی شان ہے،عام طور پر مشاہدے میں یہ آیا ہے جن کے ساتھ اس قسم کے تعلقات ہوتے ہیں،ان میں سے اکثر کے بچے ذہنی طور پر چلنے میں کمزور ہوتے ہیں۔اس کے اندر کیا مسائل ہیں؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔انتظامیہ کی پوری توجہ اس کی طرف ہوتی ہے کہ یہ بچہ چلنا چاہیے اور استاد بھی پوری توجہ دے رہا ہوتا ہے،لیکن وہ چل کے نہیں دیتا.....وہ بھی ایک ایسا ہی بچہ تھا۔

اب اس کا حافظہ ایسا ہے کہ سارا دن محنت کر کے دو تین سطریں یاد ہوں اور اگلے دن صبح سنو تو کچا ہے۔بڑی محنت سے سارے دن میں دو تین سطریں یاد کروائیں...اگلے دن سنا تو صاف۔فرماتے ہیں:میں نے اس کو اسی طرح پورا قرآن پاک ختم کروادیا،لیکن یاد کچھ نہیں ہے۔اگر ہم اس کو موقع دیتے کہ اچھا بھئی!بیٹھ کر پھیرا دے۔وہ 2، 3 گھنٹے ضائع کر کے پھر آ کر سناتا۔اس کے بعد بھی کچھ یاد نہیں۔

پھر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کے بارے میں یہ معمول بنالیا کہ نہ میں نے اس کو پھیرا دینے کا وقت دینا ہے،نہ یاد کرنے کا۔اس کا بس سننا ہے۔سبق آگے یاد کرانا ہے اور پیچھے سے سننا ہے۔اس میں غلطی کی کوئی تحدید نہیں ہے۔اس کی ہزار غلطی آجائے،2 ہزار یا 3 ہزار،اس پر کوئی باز پرس نہیں۔فرماتے ہیں:اس کے لیے میں ایسا کرتا کہ صبح اس کے سبق وغیرہ سے فارغ ہو کر ایک لڑکا بلاتا۔صرف 2 رکوع اس کو سنواتا۔اس لیے کہ اگر میں کسی ایک ہی لڑکے کو سننے کے لیے لگا دیتا تو اس کا بھی سارے دن کا کام ضائع ہو جاتا۔لہٰذا میں اس کا سننا کسی ایک طالب علم کے ذمے نہیں لگا تا تھا۔ایک طالب علم کو بلایا اور یہ بتا دیا کہ اس کے پیچھے نہیں پڑنا۔نہ ہی اس کو پیچھے سے پڑھانا ہے۔جہاں اس کی اٹکن آئے وہاں نشان لگا دو۔ تھوڑا سا بتا دو اور آگے چلو۔چلتے جاؤ اور نشان لگاتے جاؤ۔فرمایا:شام تک اس کے 3 سپارے سنتے۔ان 3 پاروں میں ہزاروں غلطیاں آجاتیں۔اس کے قرآن پاک کا کوئی لفظ ایسا نہیں تھا جس کے اوپر اس کی غلطی کا نشان نہ لگا ہو۔یہ ایک مثال بتا رہا ہوں،اس سے نیچے

درجہ کی کوئی مثال نہیں ہے۔

ہر روز 3 پارے سننے کی اس کی ترتیب چلتی رہی۔ سنتے سنتے ایک وقت ایسا آ گیا کہ اب اس کی غلطی کی تعداد میں فرق پیدا ہوگیا۔ اگر ایک پارے میں 100 غلطیاں آ رہی تھیں تو اب 80 غلطیاں آ رہی ہیں۔ پھر 70، پھر 60 پر آ گئیں۔ ساتھ ساتھ اس بچے کو قرآن پاک پڑھنے کا بے حد شوق بھی پیدا ہوگیا۔''

حضرت نے اسے مناسب یاد کروا کر فارغ التحصیل کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بات اس کے ذہن میں بھی ڈال دی یا حضرت کی برکت سے خود ہی اس کے دل میں اتر گئی کہ ہر وقت میں نے منزل پڑھنی ہے۔ وہ قرآن پاک ساتھ رکھتا اور چلتے پھرتے منزل پڑھتا رہتا۔ جہاں غلطی آتی دیکھ لیتا۔ اس کا رنگ کا کاروبار تھا۔ پھر دیکھنے والوں نے یہ بتایا اور سیکڑوں آدمیوں نے شہادت دی کہ اس کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ وہ رنگ نکال رہا ہے، رنگ تول رہا ہے یا اپنا کوئی بھی کام سرانجام دے رہا ہے..... زبان اس کی چل رہی ہے۔ بالآخر ملتان شہر میں اس کا نام ''پڑھنے والا حافظ'' مشہور ہوگیا۔ وہ ''پڑھنے والا حافظ رنگ والا'' کہلایا جانے لگا۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ رمضان شریف میں اپنا قرآن پاک رات کے آخری حصے میں سناتا تھا۔ اس کا پہلا وقت مساجد میں حفاظ کے پیچھے گزرتا۔ سنانے والے حافظ کے اوپر اس کا آ جانا ایک بہت بڑا خطرہ ہوتا تھا۔ اس کے آنے پر سب سہم جاتے کہ حافظ رنگ والا آ گیا! بھئی حافظ رنگ والا آ گیا! یہ وہ شخص ہے جس کا قرآن پاک بالکل یاد نہیں تھا۔ وہ اپنی پوری کوشش کر کے بھی یاد کرنے میں ناکام رہتا۔ مگر حضرت رحمہ اللہ نے اس کو اس حکمت سے پڑھایا۔ آج اس کو اتنا یاد ہے کہ بڑے بڑے حفاظ اس کے پیچھے آ جانے سے کانپ جاتے ہیں۔

واضح رہے:

مدرسین اپنی درسگاہ کے بارے میں مجتہد ہوتے ہیں۔ ان کو اجتہاد کے ساتھ کام کرنا

چاہیے۔ یہ نہیں کہ بس ایک ضابطہ بنالیا، اب سب بچوں کو اس کے اوپر پیش کرنا ہے۔ جس کو یہ قانون موافق آرہا ہے تو ٹھیک ہے اور جس کو نہیں آرہا ہو تو کہتے ہیں، یہ حفظ نہیں کرسکتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت کی درسگاہ کے جو ضوابط تھے، حفظ کرانے اور سننے، سنانے کے... نئے مدرسین تو اس کا تصور ہی نہیں کرسکتے۔

بہر حال! اگر اس نوعیت کا کوئی ایسا طالب علم آگیا تو یہ طریقہ اس پر چلا کر دیکھا جائے۔ یہ واقعہ بطور نمونہ ذکر کیا۔ عام طور پر اساتذہ اسے نمونہ کے طور پر اپنے سامنے رکھنے کے بجائے یوں کہتے ہیں: دیکھو جی! انہوں نے (قاری محمد یاسین نے) بتایا تھا کہ ایسے لڑکے ہوتے ہیں۔ اب میرے پاس تو سب ہی ایسے ہیں۔ جس کو دیکھو وہ ایسا ہی ہے۔ یوں وہ اسے اپنی بدمحنتی کی دلیل بنالیتے ہیں۔ میں نے کہا ہے یاد رکھو! درسگاہ میں شاذ و نادر ایسے لڑکے ہوتے ہیں، اس کو اپنا معیار نہ بنالینا۔ میں تو ایک حکمت کی بات بتا رہا ہوں، اگر ایسے لڑکے کبھی آجائیں تو انہیں کیسے چلانا ہے۔

حکمت و تدبیر کا یہ درس ہمیں قرآن پاک نے دیا ہے۔ ہمیں چاہیے اس اصول کو اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں پیش نظر رکھیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ.﴾ (النحل:125)

''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔''

اسی طرح پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اُمِرْنَا اَنْ نُّکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ.'' (کنز العمال 439/10)

''ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کیا کریں۔''

یہ اصول شریعت کے مزاج کو واضح کرتا ہے۔ اس آیت و حدیث سے وہی اصول معلوم ہو

رہا ہے جو اوپر طلبہ کے بارے میں اختیار کرنے کے حوالے سے آپ حضرات کے سامنے ذکر کیا۔ بہرکیف! زندگی کے ہر گوشے میں اسے اپنی عادت بنا لینے کی ضرورت ہے، تاہم درس گاہ میں بیٹھ کر اس کا بطورِ خاص خیال رکھنا چاہیے۔

☆☆☆

سبقی پارہ

پانچ سبق:

اب وقت کے ساتھ ساتھ بچے کی مقدار خواندگی بڑھنے لگے گی۔ اس کے سپارے زیادہ ہو جائیں گے۔ آپ کو اب طالب علم کی منزل کنٹرول کرنے کا مسئلہ درپیش ہوگا۔ اس سلسلے میں ''سبقی پارہ'' سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ مگر اس سے بھی پہلے ''پانچ سبق'' کا نمبر ہے۔

مثال کے طور پر ایک بچے کا ڈیڑھ سپارہ ہو گیا ہے۔ اس نے سورۃ نوح مکمل کر لی ہے۔ اس نے اپنے تازہ سبق سے پچھلے 3، 5، 7 یا جتنے سبق بھی استاد مناسب سمجھے، وہ سبقی پارہ سے پہلے سنانا ہوں گے۔ استاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس مقدار کو علیحدہ سے یاد کروا کے سنے۔ اگر آپ کے پاس مناسب تعداد ہے تو پھر کسی سے سنوانے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود سنیں۔ اگر زیادہ تعداد ہے تو پھر سننے، سنانے کے لیے طلبہ کی معاونت حاصل کرنے کی گنجائش ہے۔ تاہم یہ کام ان سے بڑی ذمہ داری اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ لینا ہوگا۔ ان 5 یا 7 اسباق کے بعد آدھا پارہ یا اس سے کچھ زیادہ سبقی پارہ کے طور پر سنا جائے۔

بعض بچے خیانت کرتے ہیں:

یہ کیوں کہا گیا کہ استاد خود سنے اور بصورت دیگر کڑی نگرانی کرے؟ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جو سبق بچے کو یاد نہیں ہوتا، وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً: اس کے آخری تین سبق سورۃ نوح کا آخری رکوع بنتا ہے۔ اب اس نے کسی بچے کو سنانا شروع کیا۔ سورۃ نوح کے آخری رکوع سے 5، 6 آیتیں چھوڑ دیں اور ساتھی بچے سے کہہ دیا:

''میرے تین سبق پورے ہو گئے ہیں۔''

اب جس بچے نے سنا ہے، اس نے استاد جی کو بتا دیا:

''جی ہاں! اس نے تین سبق سنا دیے ہیں، ایک غلطی آ گئی ہے۔'' (جیسا کہ معمول ہے، چلتا ہے کام)

استاد جی بھی زیادہ تفتیش کی زحمت نہیں کرتے، کہہ دیتے ہیں۔

''اچھا بھئی! اب سبقی پارہ سناؤ پیچھے سے!''

اب اس کا سبقی پارہ کہاں تک بنتا ہے؟ ''تبارک الذی'' سے سورۃ نوح تک۔ مگر صحیح صورت حال سے استاد ہی آگاہ ہوگا۔ سننے والا تو اسی کو صحیح سمجھے گا جو اسے اس کا ساتھی بتائے گا۔ یہ بچہ 'سورہ معارج' تک سنا کے فارغ ہو گیا یا ''الحاقة'' تک سنا لیا اور بتا دیا کہ میرا سبقی پارہ مکمل ہو گیا ہے۔ سننے والا اسی پر یقین کرے گا اور استاد کو رپورٹ بھی دے دے گا۔ معلوم ہوا کہ اس بچے نے آج کی کارروائی میں دو ''دھوکے'' کیے: ایک تو پانچ سبق سناتے وقت کیا کہ اپنا آخری سبق چھوڑ دیا۔ دوسرا، سبقی پارہ سناتے وقت پوری 'سورہ معارج' اور 'سورہ نوح' کا ایک رکوع چھوڑ دیا۔ استاد نے سننے والے بچے کی رپورٹ پر صاد کیا اور بے فکر ہو گیا۔ سننے والا بھی مطمئن اور سنانے والا اپنی جگہ خوش کہ میری جان چھوٹ گئی!

آپ ہی بتائیے! بچے کا جو آخری سبق سننے سے رہ گیا ہے یا جو اس نے سبقی پارے میں ڈیڑھ سورت چھوڑ دی ہے، کیا وہ اسے کل یاد ہوں گے؟ نہیں ہوں گے۔ کل تک وہ مقامات بالکل کچے ہو چکے ہوں گے۔ اس کا یہ معمول مسلسل بھی جاری رہ سکتا ہے۔ بچوں کا جو سبقی پارہ یاد نہیں ہوتا، منزلیں کچی رہ جانے کی شکایت ہوتی ہے، اس کی اہم اور بنیادی وجہ استاد کی اسی قسم کی غفلت ہوتی ہے۔ اس لیے استاد نے اگر بچوں سے سننے، سنانے میں معاونت لینی ہے تو اس معاملے میں اسے ہوشیار ہونا پڑے گا۔

قرآن پاک تبدیل نہ کیا جائے:

ایک اہم بات اس سلسلے میں یہ بھی ہے کہ جو سپارے اور قرآن پاک ہم بچوں کو پڑھنے کے لیے دیتے ہیں۔ قرآن پاک کے ختم ہونے تک یہ تبدیل نہیں ہونا چاہیے۔ آج کل تو اس حوالے سے غفلت عام ہے۔ تاہم جس دور میں ہم نے قرآن پاک حفظ کیا، اس وقت کے

اساتذہ میں اس چیز کا اتنی شدت سے معمول تھا کہ جس قرآن پاک پر اس نے شروع کیا ہے، ختم تک یہ قرآن پاک اس کے پاس ہر صورت میں رہنا چاہیے۔ اس میں تبدیلی نہیں آنی چاہیے۔ یہ گم نہیں ہونا چاہئے۔

لہٰذا اس چیز کا اہتمام کیا جانا چاہیئے کہ مطالعہ پڑھانے، سبق دینے، سبقی پارہ اور منزل سنانے میں جتنی غلطیاں آئیں، سب نشانات اس قرآن پاک پر لگے ہوئے ہوں۔ اس چیز کا اس قدر مضبوطی سے اہتمام کرنے کی ضرورت ایک تو اس وجہ سے ہے کہ اگر یہ قرآن پاک اس سے گم ہو گیا یا نئے قرآن پاک کے شوق میں بچے نے اس کو بدل لیا تو وہ سارے نشانات لگے لگائے ایک طرف ہو جائیں گے۔ بچہ ذہنی طور پر ان غلطیوں سے فارغ ہو جائے گا۔ دوسرا، ان نشانات کی مدد سے بچے کی طرف سے خیانت کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔ معلوم ہو سکے گا، اس کے پانچ سبق اور سبقی پارے کہاں تک بنتا ہے۔ لہٰذا سبق دیتے وقت استاد کو چاہیے کہ کسی اچھی باریک پنسل سے 5، 9، 11 یا جتنی سطریں اسے سبق دینا ہے، اس پر نشان لگا کر تاریخ ڈال دے۔ اس طرح جب قرآن پاک پر یومیہ کی بنیاد پر نشانات لگتے رہیں گے تو... ان شاء اللہ... بچوں کی بھی اتنی ''ٹریننگ'' ہو جائے گی اور انہیں پتہ چل سکے گا کہ ان کے ساتھی نے آج آخری سبق چھوڑ دیا ہے۔

استاد کو چاہیے کہ اس چیز کا مذاکرہ بھی بچوں کے اندر کرتا رہے۔ انہیں بتائے، جب آپ کے پاس کوئی پانچ سبق سنانے کے لیے آئے تو اس کا آپ جائزہ لیں کہ اس کا سبق کہاں تک ہے؟ اس نے آج کہاں تک سنایا۔

استاد خود بھی اس بارے میں ہوشیار رہے۔ جب کوئی بچہ سنا کر فارغ ہو تو سنانے والے بچے کو اپنے پاس بلائے اور پوچھے:

''بھئی! اس نے کہاں سے شروع کیا تھا؟''

''سبقی پارہ، کہاں تک سنایا ہے؟''

''پانچ سبق کہاں تک سنائے ہیں؟''

بہر حال! ایک تو اس بات کا اہتمام کروانا چاہیے کہ بچے نے جس پارے پہ "عَمَّ یَتَسَائَلُوْنَ" کا پارہ شروع کیا ہے، ختم تک وہی سپارہ باقی رہے۔ پھر جس قرآن پاک پہ اس سے آگے بڑھنا شروع کرے تو اس بات کی کوشش کی جائے کہ آخر تک وہی قرآن پاک چلے۔ دوسرا، استاد اپنی پوری توجہ اور خصوصی کاوش ان بچوں پر صرف کرے۔ بچے غفلت اور منزل کچی ہونے کے ناقابلِ تلافی نقصان سے بچے رہیں گے۔

منزل سننا

اب سپاروں کا مرحلہ آ گیا۔ بچوں کی منزلیں کیونکر قابو میں رہ سکتی ہیں؟ اس حوالے سے کچھ جاننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ کے ہاں منزل کی پختگی کا معیار کیا تھا؟ حضرت کے شاگردوں میں بہت سارے حضرات ہوں گے جنہوں نے حضرت کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ یہ سب اس بات کے عینی شاہد ہیں، منزل کی پختگی کے بارے میں حضرتؒ کے نزدیک اس کا معیار کتنا کڑا تھا؟ حضرت فرمایا کرتے تھے:

''ہمیں ایسا معیار چاہیے جس میں غلطی اور اٹکن کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔''

بہرحال! بچوں کی منزلیں مختلف ہوں گی۔ اسی طرح سنانے کی ترتیب بھی جدا جدا ہوگی۔ کسی بچے نے ڈیڑھ پارہ سنانا ہوگا تو کسی نے دو۔ بعض نے صرف ایک پارہ سنانا ہوگا۔ اس معاملے میں ہر استاد کی اپنی صوابدید کا دخل ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کی منزل کا معیار بہتر کرنے کے لیے یہ دو باتیں بطورِ خاص قابل توجہ ہیں:

پہلی بات:

اس سلسلے میں پیشِ نظر رکھنے کی سب سے اہم بات وہی ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا گیا۔ وہ یہ کہ بچے اس میں بھی عموماً ''خیانت'' کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر طالب علم پارہ سناتے سناتے ''فَمَنْ اَظْلَمُ'' تک آ گیا ہے۔ کل اس نے ''وَمَالِیَ'' سنایا تھا۔ اس سے قبل ''وَمَنْ یَّقْنُتْ'' بھی سنا چکا ہے۔ آج اس نے 24واں پارہ سنانا ہے، مگر اسے یاد نہیں۔ اب وہ کیا کرے گا۔ وہ اسے چھوڑ کر ''اِلَیْهِ یُرَدُّ'' سنا دے گا۔

اب سننے والوں کو کیا معلوم کہ اس نے کل کون سا پارہ سنایا تھا۔ یہ تو بڑی صفائی سے اپنے ساتھی سے کہہ دے گا:

''بھئی میرا آج کا پارہ ہے ''اِلَیۡهِ یُرَدُّ''، آپ سن لیجئے!''

سننے کے بعد غلطیاں بتائے جانے سے استاد بھی مطمئن ہو جائے گا۔ یہ ہر بار اسے چھوڑتا رہے گا۔ ہمت بڑھے گی تو اور پاروں کے بارے میں بھی یہ تجربہ دہرائے گا۔ نتیجۃً منزل کی بہت بڑی مقدار سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ استاد اپنی جگہ پریشان رہے گا کہ بچوں کی منزلیں کیوں یاد نہیں ہوتیں!

آج کے اساتذہ میں غفلت کا یہ عالم ہے کہ اگر درسگاہ بیس لڑکوں پر مشتمل ہے تو انہیں ان کے نام بھی زبانی یاد نہیں ہوتے۔ اس سے پہلے کے اساتذہ کرام ہم نے دیکھے کہ اگر کسی کی درسگاہ کے پینتالیس بچے ہیں تو ان کو اپنے بچوں کے نام، ان کی ولدیت، اگر مقامی ہے تو محلے اور شہر کا نام، اگر رہائشی (مقیم) ہے تو اسکا شہر وغیرہ.... تمام چیزیں از بر یاد ہوتی تھیں۔

ہم نے اپنے اساتذہ کے ہاں مشاہدہ کیا کہ کسی ایک طالب علم کو بلا لیتے اور فرماتے:

''اچھا بھئی! فلاں کو سپارہ سنا کے آ!''

اور دوسرے طالب علم کو بلا کر بتلاتے:

''بھئی! اس نے کل فلاں جگہ سے سپارہ سنایا تھا، اتنی غلطیاں آئی تھیں، آج فلاں جگہ سے اس کا پارہ ہے.... دھیان سے سن لینا۔''

اب جو استاذ اپنے طلبہ کے بارے میں اس قدر حساس ہے۔ ان کے حوالے سے ایک ایک بات اپنے ذہن میں رکھتا ہے۔ تصور کیجئے! اس کی کلاس میں کس قدر باغ و بہار ہوگی۔ ان کی منزلوں کی پختگی کا کیا عالم ہوگا.... اور یہی ہے راز پہلے زمانے کے اساتذہ کی کامیابی کا!

آج بھی اساتذہ کو سب سے زیادہ ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔ ہر معاملے میں جو سطحیت کا پہلو غالب آتا جا رہا ہے، یہی تمام مسائل کی جڑ ہے۔

دوسری بات:

عام طور پر امتحانات میں دیکھنے کا موقع ملتا ہے بچوں کو سورتوں کے نام اور ان کے رکوع یاد نہیں ہوتے۔ یہاں تک بھی دیکھنے کو ملتا ہے، مثال کے طور پر بچے سے پڑھایا:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾

سورۃ روم میں سے، 21 ویں پارے سے پڑھایا۔ اب اتفاق کی بات کہ تین چار آیتیں پڑھنے کے بعد اس کی غلطی آ گئی۔ ممتحن اس سے کہتا ہے:

''قرآن کھول کر غلطی پر نشان لگاؤ، دیکھو کیا ہے۔''

ہم نے دیکھا کہ وہ دس، دس منٹ لگا دیتا ہے۔ ورق پہ ورق الٹ رہا ہے۔ اسے یہ پتہ نہیں، میں کہاں سے پڑھ رہا ہوں۔ لہٰذا اس کی مشق کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ درسگاہ میں بچوں سے ''**ٹو کویں**'' سوال کیے جائیں۔ کوئی بھی آیت پڑھ دی، پھر بچے سے پوچھ لیا:

''اچھا بھئی! یہ آیت کون سے سپارے کی ہے؟ کون سی سورت ہے؟''

اور یہ کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ اگر درسگاہ میں پانچ منٹ بھی، دس منٹ بھی آپ اس کام کے لیے وقف کر دیں گے، دو چار بچوں سے بھی اس قسم کا سوال کر لیا کریں گے تو بچوں میں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ یہ آیت کون سے پارے میں ہے؟ کون سی سورت میں ہے؟ لہٰذا سورتوں کے نام اور سورتوں کے رکوع وغیرہ بھی بچوں کو یاد کروانے چاہییں۔

ختم قرآن

طالب علم خراماں خراماں ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے کامیابی کے قریب آن پہنچتا ہے۔اس کے چند پارے باقی رہ جاتے ہیں۔اگر 2 یا 3 سال اطمینان اور صبر سے گزار لیے تھے تو یہاں آکر یہ پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔اگر پیچھے 24، 25 سپارے ترتیب سے پڑھا دیے ہیں تو آخر میں آکر یہ حال کیا جاتا ہے کہ بچے کا سبق تو زیادہ سے زیادہ ہوتا رہے، پیچھے سے سپارے ہوں یا نہ ہوں، تاکہ قرآن پاک جلدی ختم ہو جائے۔ایسا عموماً تب ہوتا ہے جب بچے کے پانچ، چھ سپارے رہ جاتے ہیں۔کچھ والدین کی طرف سے تقاضا بڑھ جاتا ہے۔کچھ بچے کا بھی شوق غالب ہوتا ہے۔کچھ استاد کا ''اندر'' کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔☆

جب یہ ترتیب پیدا ہوتی ہے تو اگر وہ پانچ سپارے ختم کروانے میں بہت جلدی بھی کرے تو دو مہینے لگائے گا۔ان دو مہینوں تک پچھلا سننا، سنانا موقوف رکھا تو سمجھو کہ اگر کسی بچے نے تین سال میں یہ ختم کیا تھا، یہاں تک پہنچا تو تین سال کی محنت پر اس نے پانی پھیرا دیا۔اسی طرح فارغ التحصیل طلبہ کی تعداد بڑھانے کے لیے بعض اوقات اس قسم کی جلد بازی اختیار کی جاتی ہے، یہ ہرگز مناسب نہیں۔

بہر حال! اخیر سپارے تک اپنے سننے، سنانے کے نظام کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔

☆☆☆

☆تسہیل المواعظ:102

شعبہ گردان

قرآن کریم کی گردان حفظ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اس لیے کہ حفظ کی کمی بیشی گردان میں پوری ہوسکتی ہے لیکن اگر گردان میں کمی کوتاہی رہ جائے تو اس کا ازالہ اکثر اوقات ساری زندگی میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے شعبہ گردان کے مدرس کو اپنی ذمہ داری کا بھرپور احساس ہونا چاہیے۔ میرے پاس الحمدللہ اب تک ہزاروں بچے گردان کر چکے ہیں۔ میں نے سالہا سال کی تدریس کے دوران گردان کو بہتر انداز سے کرانے کے لیے جو طریق کار سمجھا ہے اور اس کے مطابق اپنے طلبہ کو گردان کروائی ہے۔ وہ چند نکات کی روشنی میں پیش خدمت ہے:

امتحانِ داخلہ:

اکثر دوسرے مدرسے یا دوسری درسگاہ سے نئے طلبہ گردان کے مدرس کے پاس آتے ہیں۔ ان کو داخلہ دینے سے پہلے امتحان لیا جاتا ہے۔ جس میں ہر پانچ پاروں میں سے ایک ایک رکوع سنا جاتا ہے۔ اس کے بعد تعلیمی رپورٹ درج کردی جاتی ہے کہ کون کون سے رکوع سنے اور کس رکوع میں کتنی غلطیاں آئیں۔ ان سنے گئے 6 رکوع کی غلطیوں کے مجموعے سے طالب علم کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ تجوید کی کیفیت کا بھی اندازہ کرنا ہے کہ تجوید پر کتنی محنت درکار ہے۔ اس سے ایک تو بچے کو اس بات کا احساس رہتا ہے کہ جب میں داخلہ لینے آیا تھا تو میری منزل کی کیفیت یہ تھی۔ دوسرے، مدرس کو بھی یہ فیصلہ کرنے میں آسانی رہتی ہے کہ یہ بچہ ایک سال میں صحیح طور پر گردان مکمل کرلے گا یا اس کے لیے دو سال کی محنت درکار ہو گی۔ اسی طرح یہ سمجھنے میں بھی آسانی رہتی ہے کہ اس پر کس نوعیت اور کتنی محنت کی ضرورت ہے؟

میرے حضرت قاری صاحب کا معمول ایسے طلبا کے لیے عموماً یہ تھا کہ نئے طلبا کو پہلے سے زیر تعلیم طلبا کے پارے سنواتے تھے۔ کسی کے 2، کسی کے 3، کسی کے 5۔ نیز تاکید فرماتے کہ

توجہ اور دھیان سے سننا کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ پارے سننے کے بعد نیا طالب علم حضرت کو آگاہ کرتا کہ اس نے بالکل صحیح سنایا۔ کوئی کہتا کہ اس کی پانچ پاروں میں ایک غلطی آئی ہے، مثلاً۔ تو حضرت فرماتے:

''اچھی طرح بھی سنا ہے؟''

وہ کہتا: ''ٹھیک سنا ہے۔''

پھر سننے والے سے فرماتے: ''تیرا بھی ایسے یاد ہے؟''

جواب نفی میں ہوتا۔ پھر فرماتے: ''شروع میں سنانے والے بھی ایسے ہی تھے۔''

اس طریق کار سے نیا آنے والا خود بخود محنت سے پڑھنے کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔

نورانی قاعدہ:

بچے کو داخل کر لینے کے بعد اس کو نورانی قاعدہ پھر سے پڑھایا جاتا ہے۔ اس سے ایک تو حروف کی ادائیگی مزید درست ہو جاتی ہے اور دوسرے طالب علم کو قاعدہ پڑھانے کا سلیقہ بھی آ جاتا ہے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے ایسے طلبا کو قاعدہ صحیح طریقہ سے نہیں پڑھایا گیا ہوتا۔ ہجا وغیرہ میں کمزور ہوتے ہیں۔ اس درجے کے طلبہ کو قاعدہ پڑھانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ استاد پوری کلاس کو ایک تختی پڑھا دے اور پھر چار چار پانچ پانچ طلبہ کی جماعتیں بنادی جائیں۔ ہر جماعت میں سے اچھا پڑھنے والا طالب علم دوسروں کو بھرپور مشق کرا دے۔ اس طرح دو سے تین ہفتے کے درمیان نورانی قاعدہ مشق کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔

نورانی قاعدہ ختم ہونے کے بعد نماز حنفی بھی دوبارہ پڑھا دی جائے۔ نماز حنفی پڑھانے کے دوران ان کو عملی طور پر نماز پڑھنے اور پڑھانے کی مشق بھی کرائی جائے۔ غسل، طہارت اور صفائی کے مسائل بھی سمجھائے جائیں۔ اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین وغیرہ کا طریقہ بھی سمجھایا جائے۔ خاص طور پر خطبات یاد کروا دیے جائیں۔ یہ تمام عمل نورانی قاعدہ کے ختم ہونے کے بعد اور گردان شروع کرنے کے ساتھ ساتھ جاری رکھا جائے۔ سورۃ الفاتحہ سے تھوڑا تھوڑا سبق دے کر گردان کا آغاز کیا جائے۔ ابتدا میں سبق تھوڑا ہو چھ سطریں، آدھا صفحہ یا ایک رکوع۔

لیکن اس دوران تجوید اور لہجہ درست کرنے کی خوب مشق کروائی جائے۔ غنہ، مد، پُر، باریک، وقف اور دیگر قواعدِ تجوید کا خوب اہتمام کے ساتھ اجرا کروایا جائے۔

یومیہ منزل:

ابتدائی دنوں میں جب نورانی قاعدہ، نماز حنفی اور پہلے پارے کی مشق چل رہی ہو تو اس دوران ہر طالب علم روزانہ کم از کم پانچ پارے منزل پڑھتا رہے۔ زبانی پڑھ سکے تو بہتر ہے ورنہ دیکھ کر ہی پڑھتا رہے۔ یہ روزانہ پانچ پارے ناظرہ پڑھنا، ترتیب وار، آسانی کے ساتھ منزل یاد کرنے میں بہت معاون ثابت ہوگا۔ عام طور پر گردان کے اساتذہ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے طلبہ کی پہلے سے کمزور منزل اور زیادہ خطرناک حد تک کمزور ہو جاتی ہے۔

ایک اہم غلطی:

اکثر گردان کے اساتذہ گردان کا سبق باقاعدہ مطالعہ سنے بغیر طالب علم کو آگے یاد کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں یا صرف نشان لگا دیا کہ آج اتنا سبق یاد کرلو۔ ضروری ہے کہ طالب علم کو آگے سبق دینے کے لیے باقاعدہ مطالعہ سنا جائے۔ پختہ اغلاطِ تجوید خصوصاً اخفاء، اظہار، پُر، باریک اور غنہ، مد کا خیال کر کے مطالعہ سنا جائے۔ نیز نشان لگائے جائیں۔ ان کا سبق چونکہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا مطالعہ سننے کے لیے معتد بہ تعداد میں مطالعہ سننے والی، مستعد طلبہ کی جماعت بنائی جائے۔ جو اس قسم کی غلطیاں نکالنے کا طریقہ جانتے ہوں۔

پہلی گردان:

طالب علم کو صحیح منزل یاد کرانے کے لیے کم از کم تین مرتبہ قرآن پاک ختم کرانا ضروری ہے۔ ان تین میں سے پہلی گردان قرآن پاک کے شروع سے سورۃ الفاتحہ سے شروع ہوگی۔ جس میں ابتداءً ایک پارہ دو پارے تھوڑا تھوڑا سبق کر کے پڑھائے جائیں گے۔ یہ سبق چھ لائن یا اس سے زیادہ ایک رکوع پر مشتمل ہو یا بعض ذہین بچوں کے لیے اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ ایک پارہ مشق کے ساتھ مکمل ہونے کے بعد اکثر بچے زیادہ سبق لینے لگتے

ہیں۔

سبقی پارہ، سبق اور منزل کی مقدار:

پہلی گردان کے دوران سبق، مناسب مقدار کا ہو، جو زیادہ سے زیادہ ایک پاؤ ہوسکتا ہے اور سبقی کم از کم ایک پارہ اور منزل (یومیہ سنائے جانے والے) دو پارے ہو۔

مذکورہ سبقی پارہ، سبق اور منزل کے علاوہ تین پارے یومیہ کے حساب سے قرآن کریم کی تلاوت جاری رہے جو قاعدہ اور نماز حنفی کے دوران 5 پارے تھی، اب پہلی گردان کے دوران 15 پارے مکمل ہونے تک 3 پارے رہے گی۔

وقت کی تقسیم:

صبح فجر سے دوپہر (12 بجے) تک سبقی، سبق، منزل سنانا اور مطالعہ پڑھانا... یہ تمام کام مکمل کر لیے جائیں ظہر کے بعد بچے کل کے لیے منزل یاد کریں۔ آج والی منزل کا جائزہ دیں اور پھر سبق یاد کریں۔

بعض بچے اکثر یا تمام بچے رات تک سبق سنالیں تو بہت ہی اچھا ہے۔

دوسری گردان:

پہلی گردان مکمل ہونے کے بعد دوسری گردان شروع کرائی جائے اور یہ گردان سورۃ الناس سے شروع ہوکر سورۃ الفاتحہ پر ختم ہوگی۔ اس گردان میں سبق آدھا پارہ چلتا رہے گا۔ جبکہ سبقی اور منزل کی ترتیب وہی رہے گی۔ یعنی سبقی ایک پارہ اور منزل دو پارے۔ اس دوسری گردان سے منزل سنانے کے لیے 3 پارے ہوں گے۔

تیسری گردان:

اسی طرح دوسری گردان کے بعد تیسری شروع کروائی جائے اور یہ گردان سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الناس تک ہوگی اور اس میں سبق ہر روز ایک پارہ ہوگا۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اساتذہ فن نے جو ترتیبیں بھی حفظ قرآن کے عمل کو بہتر اور آسان بنانے کے لیے قائم فرمائی ہیں۔ ان کی بنیادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

ہیں۔تحفیظِ قرآن کے اس طریق کار کے اختتام پر مثال کے طور ایک حوالہ عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

" كَانَ جِبْرَئِيلُ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صلّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ القرآنَ كُلَّ عامٍ مرّةً فَعَرَضَ عَلَيْهِ مرّتَينِ فِي العَامِ الّذِي قُبِض." ☆

''حضرت جبریل امین علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پاک کا دور فرمایا کرتے تھے۔جس سال آپ علیہ السلام کا وصال ہوا اس سال حضرت جبریلؑ نے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دور فرمایا۔''

اس سے واضح ہے کلام الٰہی کو یاد رکھنے کا رائج طریقہ خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے من وعن ثابت ہے۔

داخلہ وفاق:

وفاق المدارس کے داخلے سال کے درمیان ہی جانے لگتے ہیں۔ جب کہ بعض طلبہ کی ابھی تک پہلی گردان بھی مکمل نہیں ہوئی ہوتی، اب کس کا داخلہ بھیجیں اور کس کا نہ بھیجیں؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے یہ دیکھ لیا جائے کہ ربیع الثانی کے آخر تک جس طالب علم کے کم از کم 25 پارے مکمل ہو رہے ہوں اور منزل یاد ہو تو اس کا داخلہ بھیج دیا جائے، لیکن اگر اس سے کم مقدار خواندگی ہے اور پھر طالب علم ذہین بھی نہیں ہے۔اس کا ایک سال اور لگوایا جائے۔

منزل کی پختگی اور امتحان کی تیاری:

ربیع الثانی کے مہینے سے منزل پختہ کرانے کے لیے اور امتحان کی تیاری کے لیے تین کام انتہائی اہم اور آزمودہ ہیں:

ا) جب کم از کم ایک مرتبہ گردان ہو جائے تو اب یومیہ صبح کے وقت ساڑھے سات پارے تلاوت کرائی جائے اور ظہر کے بعد ان ساڑھے سات پاروں کا جائزہ لیا جائے۔بہتر ہے کہ یہ

☆ صحیح البخاری: 748/2

سات پارے طالب علم زبانی پڑھے اور روانی کے ساتھ پڑھے۔غلطی والی جگہ پر نشان بھی لگائے اور کم از کم اس جگہ کو تین دفعہ دہرائے۔

۲)اس کے علاوہ تین پارے بطور منزل یاد کریں اور رات کو قبلہ رخ کھڑے ہو کر سنائیں.....جسے ہم نفلوں میں سنانا کہتے ہیں.....طلبہ کھڑے ہونے کی حالت میں ایک دوسرے کو سنائیں۔ وقفے وقفے سے ان کو بٹھاتے اور کھڑا کرتے رہیں۔ اس دوران استاد چلتے پھرتے ان سب کی نگرانی کرتا رہے اور ان کا سنتا رہے۔

۳)پھر اگلے دن صبح دس بجے ان سنائے ہوئے پاروں کا ''دائروی جائزہ'' لیا جائے۔ دائروی جائزہ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی درسگاہ کے تمام طلبہ کو دائرے کی شکل میں بٹھا دیا جائے۔ ایک طرف استاد بھی بیٹھ جائے۔ تمام طلبہ خاموش بیٹھ جائیں اور باری باری ایک ایک بچہ آئے۔اس طالب علم کا رخ باقی طلبہ کی طرف ہو۔اب اس سے اس کی سنائی ہوئی منزل میں سے ایک یا دو مقامات سے سنا جائے۔ یہ ایک بچہ پڑھ رہا ہو تو باقی سب اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے غور سے سنتے رہیں۔

اس طریق کار سے جائزہ لینے کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا مجمع اور مجلس میں تلاوت کرنے کی مشق ہوگی۔اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ امتحان دینے کے دوران کا ڈر، خوف اور جھجک ختم ہو جائے گی۔تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت کا سنایا ہوا مقام بہت پختہ یاد ہو جائے گا۔

امتحان دلوانا:

امتحان سے پہلے مختلف جائزوں میں ان سے ہر پارے میں سے زیادہ متشابہات والے رکوع پوچھتے رہیں۔ یہ بھی یاد رکھیں امتحان میں اچھے نتائج اور سرخ روئی کے حصول میں نیکی تقوی، اخلاص اور دعا کا بڑا دخل ہے۔

امتحان کے بعد:

امتحان ہو جانا یا امتحان میں سو نمبر آ جانا.....یہ کوئی منزل یاد ہونے کی ضمانت نہیں ہوتی، بلکہ امتحان تو گردان کے مرحلوں میں سے ایک مرحلہ ہے۔منزل کی مزید پختگی کی کوشش جاری رکھنی

چاہیے۔ اس نقطہ نظر سے اگر مدرسے کا سالانہ امتحان رمضان کے آخر میں رکھ لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ امتحان سے پہلے تین پارے منزل سنانے اور ساڑھے سات پارے تلاوت کرنے اور اس کے بعد جائزے کی جو ترتیب چل رہی تھی، وہ بھی جاری رہے۔

چلتے پھرتے منزل پڑھنا:

سال کے آخر میں طلبہ کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ چلتے پھرتے اور سنن ونوافل نمازوں میں کثرت کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ ان کو اس کی عادت ڈالنے کے لیے نگرانی اور خصوصی تلقین کریں۔ انعام وغیرہ مقرر کر کے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ بچوں کو یہ عادت ڈلوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو آپ کی طرف سے بچے کے لیے یہ زندگی بھر کا عظیم الشان تحفہ ہوگا۔ اس کے حفظ کی حفاظت اور اپنی محنت کے ضیاع کے حوالے سے آپ مطمئن ہوسکیں گے۔ اس لیے اس کی خصوصی فکر فرمالیں۔

شبینہ کا عمل:

رمضان المبارک میں جماعت وار شبینہ سنانے کی ترتیب بنائی جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر کا انتظام کرلیا جائے۔ پھر فارغ ہونے والے بچوں میں سے کچھ کو آج کی رات کے لیے منتخب کرلیں۔ پہلا بچہ سنانا شروع کرے۔ چند بچے اس کی اقتدا میں کھڑے ہوں۔ اگر امام نابالغ ہو تو مقتدی بھی سب نابالغ ہوں۔ تربیت کی غرض ایسا کرلیا جائے۔ اب ایک جماعت تو نماز میں ہوگی۔ دوسری ذرا پیچھے دائرہ بنا کر بیٹھ جائے اور بغور سنتی رہے۔ کوئی ادھر ادھر گھوم نہ رہا ہو۔ انہی میں ایک طالب علم سنانے والے کی غلطیوں کی مکمل تفصیل نوٹ کرتا رہے۔ امام اپنی مقدار دو رکعتوں میں پوری کرے۔ اس کے بعد اگلا طالب علم آئے۔ آج ہی سارے بچے شبینہ نہیں پڑھیں گے، بلکہ استاد حسب مصلحت ہر روز سنانے چند والوں کی تعیین کردیا کرے۔

[حضرت کے ہاں معمول ہے کہ اساتذہ میں سے اپنے تمام حفاظ تلامذہ کو اس میں شریک کرتے ہیں۔ قرآنی باغ و بہار کا یہ سلسلہ اعتکاف کے دنوں میں مزید دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

مرتب]

رمضان المبارک اور مصلی سنانا:

رمضان المبارک میں پابندی کے ساتھ مصلی سنانا، قرآن کریم کو یاد رکھنے کا بہت آسان اور آزمودہ طریقہ ہے۔ لہٰذا گردان کے طلبہ کو بھرپور ترغیب کے ساتھ اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ تاحیات پابندی کے ساتھ، بلاناغہ مصلی سنانے کا اہتمام کرتے رہیں گے۔ چنانچہ فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے تمام بڑے طلبہ کی مختلف مقامات پر مصلی سنانے کی ترتیب بنائی جائے۔ اگر باہر جگہ نہ بن سکے تو مدرسے کے اندر ہی مختلف جگہوں پر انتظامات کر دیے جائیں۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے سوا سوا پارہ دو طالب علم دس دس تراویح میں سناتے رہیں۔

رمضان المبارک میں شعبہ گردان کے طلبہ کے لیے یہ ترتیب رکھی جائے کہ جو سپارہ رات کو تراویح میں سنانا ہے، وہ اور اس کے علاوہ بالترتیب دو دو پارے روزانہ صبح کے وقت یاد کرلیا کریں۔ پھر تراویح والا پارہ ظہر کے بعد کھڑے ہو کر سنا دیا کریں۔ وہ دو پارے جو ترتیب وار روزانہ یاد کریں گے، یہ تراویح سے واپس آ کر نوافل کی شکل میں روزانہ سناتے رہیں۔ اس طریقے سے ان شاء اللہ طلبہ اپنا یہ پہلا مصلی اچھے انداز سے سنا کر اس معمول کی اچھی بنیاد رکھ سکیں گے۔ نیز نوافل میں پڑھنے کی عادت اور مشق بھی ہو جائے گی۔

رمضان المبارک کے بعد:

رمضان المبارک کے بعد چونکہ ان بچوں نے دیگر شعبوں میں مشغول ہو جانا ہوتا ہے جہاں قرآن پاک کے ساتھ مشغولیت کم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا طلبہ کو الوداعی نصائح میں یہ وصیت بھی کر دی جائے کہ وہ پوری فکرمندی اور پابندی کے ساتھ روزانہ کم از کم تین پارے تلاوت کا معمول رکھیں گے۔

بھلکڑ طلبہ کا علاج:

بعض طلبہ ایسے بھی آجاتے ہیں کہ وہ قرآن پاک یاد کرتے ہیں، لیکن بے چارے جلد

بھول بھی جاتے ہیں۔ ایسا کبھی یادداشت کی کمزوری کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ سب طلبہ کو گناہوں سے بچنے کی خصوصی تلقین کرتے رہیں کہ حافظے کی کمزوری کا یہ ایک بڑا سبب ہے۔ ایسے طلبہ گردان میں کبھی دو یا تین سال بھی لگا دیتے ہیں۔ ان کی منزل پھر بھی یاد نہیں ہوتی۔ اس کا حل پہلے بھی گزر چکا ہے کہ ایسے طلبہ کا سبق اور سبقی وغیرہ جاری رکھنی چاہیے۔ ان کی زیادہ غلطیوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ اپنی استطاعت کے مطابق منزل یاد کروا کر فارغ کر دینا چاہیے۔ فارغ ہونے کے بعد پابندی اور اہتمام کے ساتھ تلاوت کرتے رہے تو ان شاء اللہ آگے چل کر ان کو قرآن پاک ازبر یاد ہو جائے گا۔

پانچواں باب

آپ کی مشکلات کا حل

مختلف مدارس اور مکاتب قرآنیہ میں مدرسین اور منتظمین سے حضرت قاری صاحب کی تربیتی مجالس میں سوال وجواب کی نشستیں ہوئیں۔ ان میں سے اہم ترین کے انتخاب کے ساتھ انہیں من وعن پیش کیا جارہا ہے۔

مرتب عفا اللہ عنہ

بچہ اگر چلتے چلتے رک جائے

سوال:

بعض بچے شروع سے بڑے اچھے چل رہے ہوتے ہیں، درمیان میں کوئی ایسا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے، خدانخواستہ ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے، پھر کوشش کے باوجود نہیں چل پاتے۔ ایسے بچے کو چلانے کے لیے کیا ترتیب اختیار کی جائے۔

جواب:

اس بارے میں ''آداب تلاوت'' جو کہ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ کی تصنیف ہے، میں حضرت نے اپنے تجربات کا نچوڑ لکھا ہے، اس میں اس چیز کا جواب یوں دیا گیا ہے:

''جس طرح پر ایک جسمانی نظام ہے، اس میں بعض دفعہ دماغ کی کیفیت بڑی اچھی ہوتی ہے، کبھی دماغ پر دباؤ ہوتا ہے، اسی طرح پیٹ کی کیفیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے، کبھی قبض تو کبھی اسہال، ورنہ معمول کے مطابق۔ روحانی نظام بھی اسی طرح ہے۔ اس میں بھی یہ چیزیں ملتی ہیں۔ جس طرح شیوخ اپنے مریدین کو ذکر اذکار تلقین کرتے ہیں۔ پھر سالک بعض دفعہ تو بڑے شرح وبسط کے ساتھ کرتا ہے، تاہم بعض اوقات طبیعت اس طرف چلتی ہی نہیں ہے، تو فرمایا: اسی طرح علمی میدان میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ

بچہ ٹھیک پڑھ رہا ہے۔ استاد بھی محنت سے پڑھا رہا ہے، لیکن نہ استاد کو پتہ چلتا ہے کہ کون سی ایسی رکاوٹ آ گئی ہے اور بچہ بھی پریشان ہے مجھے سبق کیوں نہیں یاد ہوتا۔ والدین بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ جس طرح پر وہ جسمانی قبض بچے کو ہو جاتی ہے، یہ ایک علمی قبض ہوتی ہے۔ ایسے دنوں میں یہ چاہیے کہ بچے کا کچھ دن کے لیے، دو، چار، پانچ یا سات دن سبق روک دیں۔ اس کے اوپر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو۔ اس کی منزل وغیرہ سن کر تھوڑا بہت آگے چلاتے رہیں۔ صرف پانچ، سات دن کے بعد یا آٹھ، دس دن کے بعد......اس کی یہ کیفیت زائل ہو جائے گی۔ پھر آگے سبق اور دیگر معمولات شروع کر دیں۔

یہ ترتیب ایسے بچے کے لیے ہے جسے قبض کا مسئلہ درپیش ہو، لیکن اگر اس کی کیفیت اس قسم سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ اس کی وجہ بچے کی آوارگی ہے۔ باہر کے یا گھر کے حالات ایسے ہیں۔ ایسی صورت میں اس کے والدین کو بلا کر اس کا حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہیں کہا جائے کہ اس کو گھر میں یکسوئی والا ماحول مہیا کیا جائے، تاکہ اس کا ذہن پورا تعلیم کی طرف رہے اور انتشار اس کے ذہن سے ختم ہو جائے۔

منزل سننے کی مقدار کتنی ہو؟

سوال:

درجے میں منزل سننے کی مقدار متعین ہونی چاہیے یا کم وبیش بھی ہو سکتی ہے؟

جواب:

میں نے پہلے اس کی نشاندہی کر دی ہے کہ سننے، سنانے کا نظام مضبوطی کے ساتھ چل رہا ہے اور بچوں کے سپارے اچھے ہیں، پھر تو ایک معمول کے مطابق مقدار متعین ہو جائے تو بہتر ہوتا ہے، لیکن پھر بھی درجے میں اگر بیس بچے ہیں، دو تین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو کمزور ہوتے ہیں، اگر ان کے سننے سنانے میں کمی کر لی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

طالب علم مہمان کے سامنے جھجکتا ہے

سوال:

بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اچھی طرح سے یاد ہوتا ہے۔کوئی غلطی وغیرہ نہیں آتی لیکن کسی مہمان یا مجمع کے سامنے نہیں پڑھ سکتے، بھولنے لگتے ہیں؟

جواب:

اس کی وجہ یہ ہے ہر چیز کی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کا تعلق مشق کے ساتھ ہے۔جس طرح بعض حضرات بڑے جید عالم ہوتے ہیں لیکن کہیں مجمع میں وہ تقریر وغیرہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ ویسے درس گاہ میں بیٹھے ہیں تو دو، دو تین، تین گھنٹے کا سبق اچھی طرح پڑھا دیں گے۔اس حوالے سے مشق کی ضرورت ہے۔جس کی ایک صورت یہ کی جاسکتی ہے کہ ایک سورت پورے درجے کے لیے متعین کر دیں۔مثلاً:"قل اعوذ برب الناس" ان سے کہہ دیں کہ بھئی! سب بچے اس کو یاد کرلیں۔پھر سب بچوں کو خاموش کروا کر اپنی درس گاہ میں ایک ایک بچے کو بلایا جائے۔ان سے کہیے کہ یہاں کھڑے ہو کر سناؤ! اگر ہر روز سب کا نہیں سن سکتے تو پانچ، سات بچوں کا ہر روز اسی طرح پر سنیں۔اس طرح ان کے اندر یہ عادت آہستہ آہستہ پختہ ہو جائے گی۔ان شاء اللہ!

اگر کسی کے لیے وقت متعین کرنا مشکل ہو

سوال:

بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کسی بھی وجہ سے ان کے لیے درس گاہ کے معمول کے مطابق وقت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیا اس کی گنجائش ہے کہ ان کو عام روٹین سے علیحدہ طور پر چلایا جائے؟

جواب:

ہر بچے کے لیے اس کے مناسب حال پالیسی طے کی جائے۔سبق کے اوقات تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اگر بعض بچے کمزور ہیں تو سبق کے مقررہ وقت کے

علاوہ میں ان کا سبق یاد کروالیا جائے۔اس میں کوئی مشکل بھی نہیں۔ بچوں کی نفسیات کے اعتبار سے اس کا فیصلہ فرمالیا جائے۔

یاد کر کے جلدی بھول جاتے ہیں

سوال:

بعض بچے سبق یاد کرنے میں بھی بڑے اچھے ہوتے ہیں۔ بہت جلد یاد کر لیتے ہیں، صحیح سنا لیتے ہیں۔ جو پارہ ان کو منزل کا دیا جائے وہ بھی سنا لیتے ہیں، لیکن دو چار دن کے بعد وہی سنیں تو بالکل بھول جاتے ہیں یا اتنی غلطیاں آتی ہیں جیسے بالکل کچا ہو گیا ہو۔ یعنی یاد کرنے میں بڑے اچھے ہوتے ہیں، یاد رکھ نہیں سکتے....ایسے بچوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:

اس میں بعض دفعہ تو حافظے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ بعض کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ ورنہ دوسرے درجے میں وہ وجہ ہوتی ہے، جس کی میں نے پہلے نشاندہی کی کہ سننے سنانے کا نظام ان کا بگڑ چکا ہوتا ہے۔اس وجہ سے ان کا آموختہ بھولتا جاتا ہے۔ اگر یہ وجہ ہو تو استاد پیچھے ذکر کی گئی ہدایات کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے۔اس سلسلے میں یہ بھی کر سکتے ہیں کہ چند دن استاد اس کا سبق سنے۔ قریب بٹھا کر یاد کروائے۔

اگر مسئلہ حافظے کا ہے تو اس کے لیے استاد کو چاہیے کہ انتہائی شفقت کے ساتھ بچے کو درج ذیل عملیات کی تلقین کرے:

ہر نماز کے بعد سورۃ ''الم نشرح لک صدرک'' سات دفعہ پڑھ کر اپنے سینے پہ دم کر لیا کرے۔

قوتِ حافظہ کا مجرب نسخہ

دوسرا عمل حضرت قاری صاحبؒ نے ہمیں تلقین فرمایا تھا کہ 21 دفعہ ''رب اشرح لی

صدری ٥ ویسرلی امری ٥ واحلل عقدة من لسانی ٥ یفقهو اقولی ٥ فجر کی نماز کے بعد پڑھ کر پانی یا کسی چیز پر دم کر کے اس کو کھا یا پی لے اور اپنے سینے پر بھی دم کر لے۔ چالیس دن تک مسلسل یہ عمل کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ شانہ اس کے حافظے کی کمزوری دور فرما دیں گے۔

غنہ، مد کے نشانات کون لگائے؟

سوال:

سبق پر غنہ مد کے نشانات بچہ خود لگائے یا استاد لگا کر دے؟

جواب:

کچھ عرصہ تو استاد کو خود لگانے پڑیں گے۔ اس دوران وہ اس کو سمجھا سمجھا کر چلے گا۔ کم از کم ایک پاؤ تک اس کو ایسے لے کر چلے۔ ایک پاؤ کے بعد پھر بچے سے کہے کہ جس طرح نشان میں نے لگائے ہیں، اسی طرح لگاؤ۔ اگر پھر بھی بچہ پوری طرح پر نہیں لگا سکا تو اس کی رہنمائی کرے۔ چند سورتوں کے بعد ان شاء اللہ وہ صحیح لائن پر آ جائے گا۔ (اس حوالے سے کچھ تفصیل گزشتہ صفحات میں آ گئی ہے۔)

اگر استاد کمزور بچے کو نظر انداز کرے

سوال:

کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جو کسی درجے میں کمزور ہوتے ہیں۔ اچھے بچوں کی طرف استاد کی توجہ کم بھی ہو تو کام چل جاتا ہے، لیکن کمزور بچوں کی طرف استاد کی توجہ اس درجے کی نہیں ہوتی کہ جس درجے کی انہیں درکار ہوتی ہے۔ اب استاد کو ذہنی طور پر کس طرح تیار کیا جائے کہ ان بچوں پر خصوصی توجہ دے؟

جواب:

ان کو بتایا جائے: "تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَاءِ کُمْ" یعنی اگر تمہاری جماعت میں کچھ رونق ہے

تو وہ ان ضعیف بچوں کی برکت سے ہے۔ ان کی طرف توجہ کرو۔ اسی طرح پر انہیں بتایا جائے کہ ہسپتالوں میں بھی جو زیادہ کمزور ہوتے ہیں ان کو پہلے ایمرجنسی وارڈ میں رکھا جاتا ہے۔ وہاں پر خصوصی توجہ دے کر ان کو کسی قدر طاقت ور کیا جاتا ہے، پھر آگے منتقل کیا جاتا ہے۔

یہ جو میں نے ذکر کیا "تُـرْزَقُوْنَ بِـضُعَفَـاءِ كُمْ" اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص آیا کرتے تھے۔ یہ دونوں آپس میں بھائی تھے۔ ایک بھائی کاروبار کرتے تھے اور دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہتے تھے۔ جو کاروبار کرتے تھے، وہ آکر کہتے: یہ سارا دن یہاں بیٹھا رہتا ہے، ہمیں کام کرنا پڑتا ہے۔ صرف کھانے کے وقت پہ آجاتا ہے۔ یہی شکایت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے آئے۔ عرض کیا: "یا رسول اللہ! انہیں کہیے کہ کچھ کام کیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ہوسکتا ہے اسی کی برکت سے تمہیں رزق مل رہا ہو۔" ☆

لہٰذا ایسے اساتذہ کو چاہیے کہ کمزور بچوں کو نظر انداز نہ کریں۔ ان پر خصوصی توجہ دیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے تمہاری پوری درسگاہ کامیاب ہو جائے اور تمہارا پورا عمل قبول ہو جائے۔

سبق ٹھیک سناتا ہے، مگر منزل پر قابو پانا مشکل

سوال:

بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا سبق تو ٹھیک چل رہا ہوتا ہے۔ رفتار بھی ٹھیک ہوتی ہے۔ سبق بھی یاد کر کے سنا دیتے ہیں، لیکن جب منزل کی باری آتی ہے تو باوجود کوشش کے ہمت نہیں کر پاتے؟

جواب:

اس کی مثالیں بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی گزرا ہے ہم نے ایک حافظ صاحب کو دیکھا۔ عبدالرزاق ان کا نام تھا۔ وہ ہمارے حضرت مولانا قاری رحیم بخش

☆المستدرک للحاکم الشہید 130/1، وقال: ہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم

صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ ان کا مسئلہ بھی وہی تھا جو آپ نے ذکر کیا۔ حضرت قاری صاحبؒ ان کو سبقی پارے اور منزل کا پابند نہیں رکھتے تھے۔ ان کا سبق سن کر صبح ہی ان کو سنانے کے لیے بٹھا دیتے۔ غلطیاں جتنی بھی آجائیں اس کی پروا نہیں۔ لیکن بیٹھ کر سناتے رہو۔ دن میں تین سپارے ہر روز سنواتے تھے۔ سنوانے کی ترتیب یہ ہوتی کہ ایک پاؤ ایک لڑکے کو بلوا کر سنوا دیا۔ دوسرے پاؤ کے لیے کسی اور کو بلوا لیا۔ یہ نہیں کہ اس کے تین سپارے سنوانے کے لیے ایک ہی لڑکے کو مخصوص کر دیا۔ اس سے بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اس طرح مسلسل سنانے کی وجہ سے ایک وقت آیا کہ اس کا قرآن پاک مکمل یاد ہو چکا تھا۔

یہی عمل آپ اپنے بچوں پر دہرا کے دیکھیں، ان شاء اللہ کارگر ثابت ہوگا۔

پہلا مدرسہ چھوڑ کر آنے والے طالبِ علم کے لیے

سوال:

بعض بچے جو کسی دوسرے ادارے سے کچھ سپارے پڑھ کر آتے ہیں۔ انہیں منزل یاد نہیں ہوتی۔ ان کی منزل اور آگے سبق کے لیے کیا ترکیب اختیار کی جائے؟

جواب:

جب تک منزل یاد نہ ہو آگے چلنا دشوار کام ہوتا ہے۔ اگر آٹھ، دس سپارے پڑھ کر آیا ہے تو پہلے سپارے یاد کروائے جائیں، پھر آگے چلایا جائے۔ اس کے لیے سننے، سنانے کی ایک باقاعدہ ترتیب قائم کی جائے۔ یہ ترتیب امتحانی ہونی چاہیے۔ پیچھے دہرائی کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اس کو امتحان دینے کا پابند کیا جائے۔ پارہ مکمل یاد ہونے پر امتحان دے، پھر پانچ پارے یاد کر کے امتحان دے۔

اگر کوئی بچہ 25، 26 سپارے مکمل کر کے آیا ہے اور بالکل آخر پہ پہنچا ہوا ہے، اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے آخری سپارے پڑھا کر قرآن پاک مکمل کرا دیں۔ اس کے بعد اس کو گردان پہ لگا دیں، تاکہ اس کا سنبھلنا آسان ہو جائے۔ زیادہ سپاروں کے ساتھ سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔

بچہ دلچسپی نہیں لیتا

سوال:

بعض بچے ایسے ہوتے ہیں جو خاص دلچسپی نہیں لیتے اور کوشش کے باوجود بھی اونچی آواز سے نہیں پڑھتے؟

جواب:

ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ ''برکات'' تو ہوتی ہی ہیں۔ ان کے لیے بھی حتی الامکان کوشش کی جائے۔ اس کے ذہن کو پرکھیں کہ کون سی بات کو تسلیم کرتا ہے۔ کچھ پیار اور کچھ ڈانٹ ڈپٹ سے ان کو لے کر چلیں۔ اسے کہیں تھوڑا اونچی آواز سے سناؤ، ان شاء اللہ تجھے انعام ملے گا۔ کوئی نہ کوئی صورت کریں، ان شاء اللہ کسی نہ کسی وقت کامیاب ہو جائے گا۔

کند ذہن ہے اور عمر بھی بڑھ رہی ہے

سوال:

ایسا بچہ جو ذہناً کمزور بھی، مگر اس کی عمر بڑھ رہی ہے۔ والدین کہتے ہیں ہم نے جلد فارغ کروانا ہے۔ یہ ہماری خواہش ہے۔ استاد بھی فکر مند ہیں، لیکن اس کی عمر کے پیشِ نظر بظاہر یہی ہے کہ وہ نہ اِدھر کا ہے نہ اُدھر کا۔ ایسے طالب علم کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:

ایسے طالب علم کو مجبور تو نہیں کر سکتے، لیکن ان کے والدین سے کہنا چاہیے اس کے جلدی فارغ کروانے کا اصرار نہ کریں۔ اگر استاد سمجھتا ہے ایک سال مزید لگا کر مکمل کر سکتا ہے تو پھر والدین کو یہی ترغیب دینی چاہیے۔ انہیں کہا جائے، اگر آپ نے اس کو کچا پکا فارغ کروالیا تو یہ بھول جائے گا۔ جو اس کے لیے دنیا و آخرت میں وبال ہوگا۔ عمر بھر کے لیے پریشانی رہے گی۔ لہٰذا فی الحال اس خواہش کی قربانی دی جائے۔ اگر کسی کے گھریلو حالات ایسے ہیں، کاروباری

حالات ایسے ہیں، جس کی وجہ سے استاد بھی یہی سمجھتا ہے کہ فارغ کرنا ضروری ہے، ایسی صورت میں ان کا اصرار قبول کرلے، مگران سے یہ وعدہ لیں کہ آدھا وقت آپ ہمیں ضرور دیں گے۔ بالکل فارغ رہنے سے بے شمار نقصانات متوقع ہیں۔ آدھے وقت کی شرط کے ساتھ ہم اس کو فارغ کردیتے ہیں۔ اگر آپ کے 8 گھنٹے پڑھائی کے ہیں تو اس میں وہ 4 گھنٹے آئے۔ کچھ پارے بھی سنائے تا کہ اس کا تعلق دو تین سال تک مضبوطی کے ساتھ رہے۔ پھر اللہ کی ذات سے امید ہے ان شاء اللہ وہ اپنا حفظ پختہ کرنے میں کامیاب ہوجائے گا!

پانچ سبق علیحدہ سے کیوں؟

سوال:

''پانچ سبق'' الگ نہ سنے جائیں، بلکہ مکمل ہی سبقی پارہ سنیں تو کیا زیادہ بہتر نہ ہوگا کہ وقت بچے گا؟

جواب:

نہیں! یہ پانچ سبق علیحدہ ہی سنانے ضروری ہیں۔ اگر طالب علم ان پانچ اسباق کو سبقی پارہ کے ساتھ سنائے، تب بھی اس نے سنانے تو ہیں ہی۔ مگران کو علیحدہ سنوانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ عام طور پر جو سبق سے متصل پانچ، چھ سبق ہوتے ہیں، وہی سب سے زیادہ کچے ہوتے ہیں۔ علیحدہ کرکے پھیرا دینے اور اہمیت کے ساتھ سننے سے وہ ان پر تقریباً اتنی ہی محنت کرے گا، جتنی سبق پر کرتا ہے۔ اس طریقے سے منزل اپنی بنیاد سے پختگی کے ساتھ چلے گی۔ اس کام میں کوئی بہت زیادہ وقت بھی نہیں لگتا۔ کوئی 5، 7 منٹ زیادہ لگ جائیں گے۔

فراغت کے بعد سننے، سنانے کی ترتیب کیا ہو؟

سوال :

اگر فراغت کے بعد بچے کے والدین اس کو کسی دوسری لائن میں لے جانا چاہیں تو ایسے

بچے کا قرآن پاک سنانے کی ترتیب کیا ہو؟

جواب:

فارغ ہونے کے بعد، اس کے والدین کی مشاورت سے ہی یہ کام ہوسکتا ہے۔ دیکھنا ہوگا والدین اس کو کس لائن میں لے کر جار ہے ہیں۔ وہ اپنی اس مصروفیت میں سے کتنا وقت آپ کو دے سکتے ہیں۔ اسی حساب سے اس کی ترتیب بنائیں۔

چھٹا باب

اساتذہ فن کے سبق آموز واقعات

اساتذہ فن کے سبق آموز واقعات کا یہ انتخاب حضرت اقدس، حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کی ڈائری اور ذاتی یادداشتوں سے پیش کیا جارہا ہے۔ان میں شاطبیِ وقت حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کی شفقتوں کا ذکر بھی ہے اور مجدد القراآت حضرت قاری رحیم بخش رحمہ اللہ کے کمالات بھی مذکور ہیں، نیز حضرت صاحبِ کتاب مدظلہم کے زمانہ طالب علمی کی جھلک بھی نمایاں ہوتی ہے۔ان یادداشتوں کا باقی حصہ حضرت کے حالات پر لکھی جانے والی مفصل کتاب میں شامل کیا جائے گا۔ان شاءاللہ!

مرتب عفااللہ عنہ

یادوں کے دریچے

فرمایا: میرے گردان میں داخلہ لینے کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک دن میں عشا کے بعد چھٹی کر کے گھر جانے کے لیے مسجد سے نکل رہا تھا۔حضرت کے خادم خاص جو حضرت کے لیے چائے اور کھانا وغیرہ تیار کر کے دستر خوان بچھاتے تھے،ان کا نام صوفی عبدالستار صاحبؒ تھا۔ ان کا گھر بھی حضرتؒ کے محلّہ میں حضرتؒ کے قریب ہی تھا۔رسالہ ''خدام الدین'' اور ''ترجمان اسلام'' فروخت کرتے تھے۔دکانوں اور مکانوں پر جہاں جہاں متعین تھے، وہاں وہاں پر پہنچاتے تھے اور باقی وقت مسجد سراجاں میں حضرت کی خدمت میں ہی رہتے تھے۔

یہ صوفی عبدالستار صاحبؒ مجھ سے ملے اور مجھے لے کر کھڑے ہو گئے۔فرمانے لگے: آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کی تعلیم ٹھیک ہو رہی ہے؟ پھر محنت وشوق سے پڑھنے کی ترغیب دیتے رہے۔کچھ دیر بات کرنے کے بعد فرمایا کہ عشا کے بعد حضرتؒ کی خصوصی مجلس ہوتی ہے۔اس میں آٹھ دس خصوصی افراد ہی شریک ہوتے ہیں۔یہ بڑی نافع اور اہم مجلس ہوتی ہے۔میں نے طلبا میں سے کسی اور سے یہ بات نہیں کہی،لیکن تیری شرافت اور سنجیدگی دیکھ کر میرے دل میں یہ بات آ رہی ہے کہ تو بھی اس مجلس میں شریک ہوا کرے۔میں نے کہا: آپ

نے یہ بات تو بہت اچھی فرمائی ہے اور یقیناً حضرتؒ کی مجلس تو ہوگی ہی نہایت مفید اور بہت اچھی! لیکن مجھے تو اس طرح ایک خاص اور اہم مجلس میں شرکت کرتے ہوئے حجاب اور خوف سا محسوس ہوتا ہے۔ بڑے خصوصی اور سنجیدہ لوگوں کی یہ مجلس ہے جبکہ میں کم عمر اور عقل وفہم کا بھی انتہائی کوتاہ، میں اس میں شرکت کیسے کرسکوں گا؟ معلوم نہیں میرا وہاں شریک ہونا حضرتؒ پسند بھی فرمائیں گے یا نہیں؟ فرمانے لگے: تجھے شریک ہونا چاہیے اور میں حضرتؒ سے اس کی اجازت لے دیتا ہوں۔ اتنی بات آپس میں ہوئی اور میں گھر چلا گیا۔ طے ہوا کہ کل کو ان شاء اللہ عشا کے بعد مجلس میں بیٹھیں گے۔

اگلے دن عشا کے بعد جب چھٹی ہوگئی، طلبا چلے گئے اور کمرے میں حضرتؒ کی مجلس شروع ہوگئی تو صوفی عبدالستار صاحب مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے گئے اور ایک طرف سے پیچھے کونے میں بٹھا دیا۔ داخل ہوتے وقت حضرتؒ نے دیکھ لیا تھا لیکن انہوں نے اپنی بات جاری رکھی اور میری طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوئے۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو صوفی عبدالستار صاحبؒ نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ محمد یاسین کی خواہش اور دلی شوق ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ عشا کے بعد کی اس مجلس میں حاضر ہو جایا کرے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ شہری بچوں کو چھٹی کے بعد گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے، اگر یہ اپنے شوق اور چاہت سے بیٹھنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔
اس طرح جب عشا کے بعد طلبا چھٹی کر کے چلے جاتے تو میں دیگر حضرات کے ساتھ حضرتؒ کی مجلس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتا اور جب مجلس ختم ہو جاتی تو اس کے بعد حضرتؒ زیادہ تر نہیں ٹھہرتے تھے، بلکہ فوراً ہی گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مسجد کے ایک کونے میں حضرتؒ کی سائیکل کھڑی ہوتی تھی۔ مسجد سے نکل کر ایک چھوٹی گلی کا تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ اس کے بعد تین چار سیڑھیاں نیچے اتر کر بازار تھا۔ مسجد سے بازار تک سائیکل نکال کر وہاں کھڑا کرنے کی خدمت بھی میں نے اپنے ذمے لے لی۔

مجلس ختم ہونے کے بعد میں حضرتؒ سے سائیکل کی چابی وصول کرتا اور سائیکل نکال کر باہر سڑک پر کھڑا رہتا۔ جب حضرتؒ تشریف لے آتے اور حضرتؒ سائیکل پر سوار ہو کر اپنے گھر

کی طرف چلے جاتے تو میں وہیں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا۔ اس عشا کے بعد کی حضرتؒ کی مجلس کا دورانیہ تقریباً زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کا ہوتا تھا۔ اس مجلس میں صوفی عبدالستار صاحب، حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی، مولانا قاری محمد طاہر صاحبؒ، مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب اور محلے کے نمازی حضرات میں سے کوئی 8، 10 اہم اہم ساتھی خود اپنے شوق سے مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس وقت اور افراد کے اعتبار سے انتہائی مختصر تھی۔ اس مجلس میں زبانی بات تو حضرتؒ کم فرماتے تھے، البتہ اکابر کے حالاتِ زندگی پر لکھی ہوئی کتابیں یعنی سوانح حیات پڑھ کر سناتے تھے، مثلاً تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، حیات شیخ الہندؒ وغیرہ۔ حضرتؒ خود پڑھتے تھے، جہاں کسی جگہ پر کسی بات کی وضاحت کی ضرورت پیش آتی تو کتاب سے ہٹ کر اس کی وضاحت فرماتے یا موقع محل کے مطابق کتاب سے ہٹ کر کوئی واقعہ ذہن میں ہوتا تو وہ بھی ساتھ سنا دیتے۔

مختصر یہ کہ یہ مجلس اکابرؒ کی یاد اور تذکروں کے ساتھ ہی خاص تھی۔ اس مجلس کے اثرات اس مجلس کے بڑے شرکا پر تو جو ہوتے ہوں گے، وہ تو وہی جانتے ہوں گے لیکن مجھ جیسا کم عمر اور کم عقل وفہم والا بھی اس مجلس کے انوارات واثرات کھلی آنکھوں سے محسوس کرتا تھا۔ اپنے اکابر کا تعارف اور ان کی عظمت ومحبت دل میں پیوست ہوتی رہتی تھی۔ الحمدللہ! آج 50 سال گزرنے کے بعد بھی اس مجلس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔

کاش! آج کے معلمین اور مدرسین حضرات بھی اس کی ضرورت کو محسوس فرمائیں اور اپنے تعلیمی اوقات سے ہٹ کر بھی کچھ اوقات طلبا کے لیے عنایت فرمائیں، جس میں اکابرؒ کی خدمات، ان کا تذکرہ اور ان کا تعارف ہو۔

بچوں کی تربیت کے لیے خصوصی مجلس قائم کرنا

فرمایا: شعبہ حفظ کے معلمین کے لیے ابتدائی بچوں کی ذہنی تربیت کے بہت مواقع میسر ہیں۔ اوسطاً 3، 4 سال ایک بچہ ایک ہی استاد کی خدمت میں حفظ کے دوران وقت گزارتا ہے۔

اتنی طویل مدت میں اگر 15 منٹ بھی استادِ محترم اس مقصد کے لیے خوب توجہ، شوق اور رغبت سے عنایت فرمائیں تو ابتدائی بچوں کی حفظ کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت کا بھی بہت بڑے پیمانے پر کام ہوسکتا ہے۔

اس وقت پاکستان کے چھوٹے بڑے مدارس میں لاکھوں کی تعداد میں طلبا و طالبات زیرِ تعلیم ہیں۔ اساتذہ کرام فکر و محبت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جائیں تو لاکھوں بچوں کی ذہنی تربیت کا کام بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح پر شعبہ کتب کے مدرسین حضرات بھی اپنی جماعتوں کے اسباق کے دوران طلبا و طالبات کی ذہن سازی اور تربیت کو بھی ضروری سمجھ کر کچھ وقت اس کے لیے صرف فرمادیا کریں تو علم و عمل سے مزیّن رجالِ کار بہت ہی بڑی تعداد میں میسر آسکتے ہیں۔ اللہ کرے اس کی فکر ہم سب کو نصیب ہو جائے اور یہ فکر نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان عظیم ہو رہا ہے، اس کا احساس ہمیں ہو جائے۔

حضرت قاری صاحبؒ کو ایک مدت دراز تک ہم نے دیکھا کہ وہ اپنی حفظ و گردان کی جماعت کو کتاب ''تعلیم الاسلام'' سبقاً، بالاستیعاب [مکمل] پڑھایا کرتے تھے۔ اکثر اس کے پڑھانے کا وقت عشا کی اذان سے تقریباً 15 منٹ پہلے ہوا کرتا تھا۔ پوری کلاس کے طلبا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے قرآن مجید بند کردیتے اور کتابیں ان کے پاس پہلے سے موجود ہوتی تھیں۔ فوراً ہی تعلیم الاسلام کا سبق شروع ہو جاتا۔ کتاب کے مسائل یاد کروانے کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد اور اپنے اکابرؒ کے حالات کا بھی تذکرہ بڑے اچھے اور سادہ پیرائے میں ذہن نشین کروا دیتے تھے۔ مغرب کے بعد کی تعلیم چونکہ حضرتؒ کی مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان میں ہوتی تھی، جو بازار کے وسط میں واقع تھی۔ اس لیے بہت سے دکانداروں کے علاوہ قرب و جوار کے جو نمازی حضرات تھے، وہ بھی اس سبق میں شرکت کے لیے پہلے سے بڑی تعداد میں اپنے شوق کے ساتھ آجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے جماعت میں زیرِ تعلیم وہ طلبا جو قرآن پاک کے حفظ کے بعد کاروبار میں چلے گئے اور ان کو علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، تو ان کو دیکھا گیا کہ موقع محل کے مطابق ضروری مسائل ان کو مستحضر ہوتے تھے۔ عقائد کے لحاظ سے خوب پختہ ہوتے تھے۔

تربیت کے اعتبار سے بھی بہترین لوگ ہوتے تھے۔ حالانکہ حضرتؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ صدر وفاق المدارس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم اور حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ تعلیم کے دوران حضرت کے ہم عصر تھے۔ ان تمام صفات کے باوجود حفظ کی درس گاہ میں تعلیم الاسلام پڑھانے کو باعث عار نہیں، بلکہ اپنے لیے سرمایہ فخر سمجھتے تھے۔ ہم سب معلمین کو حضرتؒ کی زندگی کے اس پہلو سے بھی عوام وخواص اور چھوٹے بڑوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی راہ متعین کرنے کی کوشش کرلینی چاہیے۔

بچوں کو قرآن کے مطالب بتانا

فرمایا: اسی طرح پر حضرتؒ کی ایک عادت بچوں کی تربیت اوران کو علم حاصل کرنے کے لیے تیار کرنے کی یہ بھی دیکھی کہ دوران تعلیم بچوں کو سبق کہلواتے ہوئے یا ان کا سبق سنتے ہوئے ان کو روکتے اور متوجہ فرماتے کہ دیکھو! جو آیات تم سن رہے ہو یا سنا رہے ہو اس کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے۔ اس ضمن میں حضرات انبیا علیہم السلام کے واقعات اور پہلی امتوں کے قصے بڑے سادہ انداز میں سناتے، پھر فرماتے کہ پڑھنے پڑھانے کا ثواب تو ہمیں مل ہی رہا ہے، لیکن اگر علم بھی حاصل کرلو تو پھر پتہ چلے گا کہ قرآن کس آیت میں کیا فرما رہا ہے۔ اس میں تدبر وتفقہ کی لذت بھی حاصل ہو جائے گی۔ اسی طرح پر قراآت متواترہ کے مختلف وجوہ بھی پڑھ کر سناتے اور ائمہ قراءت کے حالات زندگی بھی ساتھ ساتھ بڑے اچھے انداز میں بتاتے چلے جاتے۔ اس طریقے سے طلبا کو قراءت پڑھنے کی طرف شوق دلاتے اور متوجہ فرماتے۔ آج ہم ان کے سلسلے کے مدرسین حضرتؒ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کا بے جا حوالہ اور تذکرہ تو کرتے رہتے ہیں.... ایسے لوگ دراصل اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے بے جا حضرتؒ کی سختی، ڈانٹ ڈپٹ کا حوالہ دیتے ہیں.... لیکن اس قسم کی صفاتِ کمال کا تذکرہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہرحال! اگر اساتذ کے لیے ممکن ہو تو اس طریق کار کو حسب استطاعت اپنانے کی ضرور کوشش کی جائے۔ پھر دیکھیے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت، علم دین کی

طرف میلان اور سکول و کالج کی جانب بے جا رجحان میں کس قدر کمی واقع ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اپنے ان اکابرؒ کی محبت و اتباع کا کچھ ذرہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

شدید تکلیف کے باوجود مصلی سنانے کا ناغہ نہ کیا

فرمایا: حضرت قاری صاحبؒ قیام پاکستان سے پہلے بھی مسلسل قرآن پاک تراویح میں، مسجد سراجاں میں سنا رہے تھے۔ میں شعبہ کتب میں تھا اور مسجد ہی میں تھا۔ میرا چشم دید واقعہ ہے کہ شعبان میں حضرت قاری صاحبؒ کے ہونٹ کے قریب ایک انتہائی تکلیف دہ پھوڑا نکل آیا، جس کی وجہ سے بولنا، کھانا، پینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ اس پھوڑے کی وجہ سے چہرے میں، کان میں اور سر میں درد کی بہت زیادہ شدت تھی۔ شعبان کا آخری دن آ گیا، لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ تکلیف اور درد کی شدت بدستور موجود تھی۔ حضرتؒ نے ارادہ بلکہ فیصلہ بھی کر لیا کہ اس دفعہ قرآن پاک تراویح میں سنانا بہت مشکل ہے، بلکہ متبادل کے طور پر سنانے کے لیے حافظ اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی قاری محمد یعقوب صاحب کو منتخب فرما لیا۔ آپ نے اپنے اس ارادے کے بارے میں اپنے شیخ حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ سے فون پر رابطہ فرمایا۔ ساری صورت حال بتائی اور اس چیز کی اجازت چاہی کہ تکلیف کی وجہ سے میں چونکہ نہیں سنا سکوں گا، اس لیے قاری یعقوب صاحب کو طے کیا ہے، اس کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضرت شیخ نے حضرتؒ کی تمام بات سن کر فرمایا: مجھے گوارا نہیں ہے کہ آپ تراویح میں قرآن پاک نہ سنائیں اور فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں، آپ اللہ کا نام لے کر جیسے بھی ممکن ہو، ایک دفعہ سنانا شروع کر دیں۔ ان شاء اللہ تکلیف بہت جلد رفع ہو جائے گی۔ حضرتؒ اپنے شیخ کی منشا کو ٹالنے والے نہیں تھے، چنانچہ شیخ کے فرمانے پر وعدہ فرما لیا کہ آپ دعا فرمائیں، میں سنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ میں دعا بھی کرتا ہوں، تاہم آپ لوگ وہاں سے فون کے ذریعے مجھے قرآن پاک سنانے کا انتظام کریں۔ انتظام کرنے والوں سے کہیں کہ جب تراویح شروع ہو تو مجھے فون ملا دیں۔ جو سپارہ تراویح میں پڑھا جائے گا، وہ میں نے پورا سننا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی

ہوا کہ فون کا انتظام کر دیا گیا۔ حضرت شیخ نے حضرت کا تراویح میں پڑھا ہوا سپارہ مکمل ٹیلی فون پر سنا۔ سپارہ ختم ہونے کے بعد تراویح کے بعد کچھ وقفے سے حضرت شیخ نے ٹیلی فون کیا اور بہت دعائیں دیں اور شاباش بھی دی۔ نیز فرمایا کہ ٹیلی فون پر سننے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے دانتوں میں، منہ میں، چہرے پر کوئی کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تراویح شروع کرنے سے پہلے میری یہی کیفیت تھی کہ شاید میں ایک آیت بھی نہ پڑھ سکوں گا، لیکن جب تراویح کی نیت باندھ لی اور شروع کیا تو مجھے شیخ کی دعا کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگی۔ میں پڑھ رہا تھا اور پڑھائی کے دوران مجھے پھوڑے کی تکلیف کی شدت محسوس نہیں ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل سے پڑھوا دیا۔ فرماتے تھے کہ تراویح کے فوراً بعد پھر مجھے تکلیف شروع ہوگئی۔ علاج بھی جاری تھا، تین چار دن یہی کیفیت رہی۔ الحمد للہ اس کے بعد پھر ٹھیک ہوگیا۔ اس میں ہم جیسے غافل اور کاہل حفاظ کے لیے بہت سبق ہے کہ اول تو سنانے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یا پھر تھوڑی سی تکلیف پر بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں کہ ہم نہیں سنا سکتے۔ اس واقعے میں ہر حالت میں شیخ کا حکم پورا کرنے کا ہمیں سبق مل رہا ہے۔ اللہ ہمیں بھی اپنے اساتذہ اور شیوخ کی اتباع کا ذرہ نصیب فرمائے۔ آمین!
حالات سازگار نہ ہوتے ہوئے، مشکلات کے باوجود جب شیخ کے حکم کو مقدم رکھا جائے گا تو یقیناً شیخ کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں اور ان کی توجہات اپنا اثر دکھائیں گی۔

[مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس حضرت قاری محمد یاسین صاحب مدظلہم العالی نے حسبِ عادت اپنے اکابر و اساتذہ کا ذکر تو فرمایا، مگر اپنے معمول کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان اکابر کا دور قرآن کی بہاروں کا دور تھا تو ہمارے ممدوح حضرت قاری صاحب کو اس خزاں کے دور میں اپنے اکابر کے نقوش پر قدم بہ قدم چلتے ہوئے نصف صدی سے زائد عرصہ ہونے کو آیا ہے۔ آپ کا تراویح سنانے کا ایک بھی ناغہ نہیں ہوا۔ ایک بار اس قدر شدید بیمار ہوئے کہ ریڑھ کی ہڈی میں شدید تکلیف تھی۔ مکمل صاحب فراش ہوگئے۔ وصیت لکھ لی گئی۔ مگر آپ کی کرامت کہ رمضان آنے پر تراویح میں قرآن پاک کی تکمیل کا ناغہ

نہ ہوا۔ اس عمر میں بھی ہر سال ان کی صحت کے پیش نظر بعض دفعہ دیکھنے والوں کا گمان یقین میں بدلنے لگتا ہے کہ شاید امسال نہ سنا سکیں۔ رمضان کے قریبی دنوں میں آپ کی بے چینی بھی دیدنی ہوتی ہے۔ آپ ہزار اعذار کے باوجود ہمت کر کے جائے نماز پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگ دنگ رہ جاتے ہیں جب آپ اللہ کے خصوصی فضل وکرم سے 28ویں شب کو مکمل کر کے شاداں وفرحاں لوٹ رہے ہوتے ہیں۔

آپ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ 1432ھ 2010ء میں آپ ''پہلی بار رمضان المبارک کے'' عمرے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہیں آپ کسی جگہ پھسلے اور سخت چوٹ آ گئی۔ لہٰذا بظاہر حالات ہرگز سازگار نہ تھے۔ ایک سفر اور پھر چوٹ کی وجہ سے صحت بھی متأثر۔ مگر ہر ایک قیاس آرائی کے برعکس آپ نے واپس پاکستان آ کر اس مرتبہ ایک نہیں، دو مصلے سنائے۔ حق تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی ہمت، عشق قرآن اور استقامت کا کوئی ذرہ نصیب فرمائے۔]

ایک کڑی آزمائش اور ثابت قدمی

فرمایا: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم ومحنت کا شہرہ اب شہر سے متجاوز ہو کر بیرون شہر منتقل ہو رہا تھا۔ عاشق قرآن جناب سیٹھی صاحب....اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں۔ آمین....نے قرآن پاک کی اشاعت کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ملک بھر میں پسماندہ علاقوں میں اور سعودیہ میں بہت سے مدارس قرآن قائم کیے۔ ان کے خلوص میں شک نہیں لیکن ان کا اپنا ایک طریق کار تھا۔ حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ....مولانا خیر محمد صاحب....کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ ایک دفعہ مدرسے میں تشریف لائے۔ ان دنوں میں حضرت کی تنخواہ غالباً 50 روپے تھی۔ سیٹھی صاحب، مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے کہ آپ کے پاس تو آدمیوں کی کمی نہیں ہے، آپ خود بھی موجود ہیں۔ آپ تو کسی سے بھی کام چلا سکتے ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ قاری رحیم بخش صاحب کو ہمیں دے دیں۔ آپ کو تو ان کا نعم البدل کسی نہ کسی طریقے سے مل جائے گا، ہمارے لیے مشکل ہے۔ یہ ہمارے کام کو سنبھال لیں گے تو ہمیں

آسانی ہو جائے گی۔ مہتمم صاحب مدظلہ نے سنجیدہ ہو کر فرمایا کہ مشاہرہ وغیرہ کیا دیں گے؟ سیٹھی صاحب نے کہا کہ دوسو روپے تنخواہ اور اس کے علاوہ مزید مراعات کا بھی ذکر کیا۔ علاوہ ازیں خیر المدارس کے لیے 5 ہزار روپے ماہوار چندہ بھی اسی وقت سے شروع کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ بڑے ہی حکیم و دانا تھے۔ یہ نہیں فرمایا کہ نہیں، نہیں! ہم نہیں دے سکتے، ہمارا کام نہیں چلے گا۔ بلکہ سیٹھی صاحب کو لے کر حضرت کے پاس تشریف لے آئے اور فرمانے لگے کہ سیٹھی صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ سیٹھی صاحب نے حضرت کے سامنے بات پوری تفصیل بڑی خوبصورتی کے ساتھ رکھی۔ حضرت نے بغیر کسی تاخیر کے بلا تامل فرما دیا کہ سیٹھی صاحب آپ کی محبت کا شکریہ، لیکن جگہ کی تبدیلی میرے لیے مشکل ہے اور آئندہ اس بارے میں سوچیں بھی نہیں۔

اس واقعے کے چند دن بعد حضرت مہتمم صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تنخواہ میں مزید 30 روپے کا اضافہ از خود فرما دیا۔ اس طرح پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تنخواہ 80 روپے ہو گئی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری پہلی اور بہت بڑی آزمائش تھی۔ ان دنوں میری معاشی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے صبر و استقامت عطا فرمائی اور اس المیے سے مجھے محفوظ رکھا۔

حفظ کی تدریس اَفضل ہے

فرمایا: حضرت رحمہ اللہ کا طریقہ تعلیم انوکھا تو تھا ہی، اس کے ساتھ ساتھ محنت، پابندی اور جانفشانی بھی حضرت کی ذات کا جزو لاینفک تھا۔ ان تمام خوبیوں نے بہت جلد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کارکردگی کو منظر عام پر لا کھڑا کیا۔ شروع شروع میں حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کڑی نگرانی رکھی اور کام کو خوب پرکھتے تھے۔ جب بھی کوئی ''مہمان قاری صاحب'' تشریف لاتے تو حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو لے کر حضرت کی درس گاہ میں تشریف لے آتے اور مہمان قاری صاحب سے فرماتے کہ طلبا سے سنیں۔ اسی طرح پر مختلف اوقات میں

مختلف حضرات سے امتحان دلواتے رہے۔ حتیٰ کہ حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قائل ہو گئے۔

شروع میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا شوق شعبہ کتب کی طرف تھا اور استعداد بھی خوب اعلیٰ تھی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونا اپنی جگہ پر فخر کی بات تھی۔ بعد میں پھر مختلف قراءت و تجوید سے متعلقہ عربی قصیدوں کی شروح اور خصوصاً ''طیبہ'' جیسی مغلق کتاب کی حضرت کے ہاتھوں بہترین شرح کے منظر عام پر آنے سے تو عربی کی استعداد کا ہر خاص و عام نے لوہا مانا۔ بہر حال! حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی علم ہو گیا کہ حضرت یہ چاہتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے خود تو حضرت سے کچھ نہ فرمایا، البتہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا تذکرہ کیا۔

مولانا موصوف نے حضرت سے ملاقات کی اور قرآن پاک کی فضیلت اور اس کی خدمت کے فضائل جو وہ بیان کر سکتے تھے وہ انہیں کا حصہ تھا۔ سو، بیان کیے۔ اسی دوران انہوں نے یہ بھی فرمایا: '' اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر''. [البقرۃ:61] مطلب یہ ہے کہ کیا آپ ایک بہترین چیز کو گھٹیا چیز سے بدلنا چاہتے ہیں؟ اس کے بعد سے حضرت نے یکسو ہو کر پوری توجہ خدمت قرآن پاک کے لیے ہی مخصوص فرما دی اور آخر دم تک اس پر ثابت قدم رہے۔

بیماری کی شدت میں پابندی کی برکت

فرمایا: غالباً 1958ء کی بات ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس سال ''وجع المفاصل'' (جوڑوں کا درد) کی تکلیف ہوئی۔ یہ تکلیف اس قدر شدید تھی کہ نہ ہاتھ سے لوٹا وغیرہ سنبھال سکتے تھے اور نہ ہی لکھنے کے لیے قلم وغیرہ پکڑ سکتے تھے۔ ان دنوں حضرت کے بڑے داماد برادرِ محترم قاری محمد یٰسین صاحب کراچی والے حضرت کے پاس گردان کر رہے تھے۔ یہی صبح کو گھر سے سائیکل پر لے کر آتے اور رات

کو گھر پہنچا کر آتے۔ ان دنوں حضرت کا رات کا اکثر حصہ تکلیف میں بیٹھ کر اور جاگ کر گزرتا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے خود بتلایا کہ ان دنوں میں تہجد کے وقت بہت زیادہ منزل کا معمول بن گیا تھا۔ اکثر 5، 5 پارے تہجد میں تلاوت کرتا تھا۔ تقریباً 9 ماہ تک یہ شدید تکلیف رہی، لیکن ان ایام میں بھی درس گاہ سے ایک دن کا ناغہ نہیں ہونے پایا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس قدر تکلیف میں پابندی کی یہ برکات ظاہر ہوئیں کہ اس سال پڑھنے اور فارغ ہونے والوں میں سے تقریباً سب کے سب ہی بہت اچھے مدرس بنے ہیں۔ قاری محمد یٰسین صاحب کراچی والے، قاری سیف الرحمٰن صاحب حال مقیم مکہ مکرمہ اور قاری اللہ بخش صاحب حال مقیم مدینہ منورہ جو کہ مالی غلام رسول کے بیٹے تھے، یہ اور ان کے علاوہ باقی اور بہت سے بہترین مدرسین اسی سال کے فارغ ہونے والوں میں سے ہیں۔

استاد کی غیر موجودگی میں ان کی تعظیم اصل چیز ہے

فرمایا: عظمت کا دعویٰ تو بہت آسان ہے، لیکن اس کی حقیقت اس وقت سامنے آتی ہے جب اپنی خواہش اور شیخ کے حکم ومنشا میں تقابل ہوتا ہے۔ تقابل کے وقت صحیح فیصلہ کرنا اور اپنے کو اطاعت میں رکھنا ہی اصل چیز ہے۔ ایسے وقت میں اگر اپنی خواہش پر عمل پیرا ہوا اور اپنے شیخ کی خواہش وحکم کو پس پشت ڈال دیا تو یہ محبت، عظمت اور فرماں برداری کے خلاف ہے۔ اگرچہ شیخ کو اس کا علم بھی نہ ہو اور جس نے تقابل کے وقت اپنی خواہش کو قربان کر دیا اور شیخ کی منشاو حکم کو مقدم رکھا، صحیح معنی میں یہی شخص فرماں بردار اور محبت وعظمت کو قائم رکھنے والا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی اور فرماں برداری کی صورت میں برے اور اچھے اثرات مرتب ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ شیخ کو بھی اس کی نافرمانی اور فرماں برداری کی اطلاع ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ آج کل تعلیم وتعلم کے معاملے میں جو ناہمواری اور بے برکتی نظر آ رہی ہے، اس کی سب سے اہم، بڑی اور بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہمارے دلوں سے اساتذہ و شیوخ کی رضا و ناراضگی کی اہمیت نکل گئی ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ.

زمانہ طالب علمی کے معمولات

فرمایا: حسین آگاہی میں قیام کے دوران ہم سب ساتھیوں کی ترتیب یہ تھی کہ صبح تہجد پڑھ کر مطالعے میں مشغول ہو جاتے اور نماز فجر پڑھ کر اکثر ساتھی مدرسے تشریف لے جاتے، لیکن میں نے اپنی ترتیب یہ بنائی ہوئی تھی اور کبھی کبھی اس میں ساتھیوں میں سے کسی کو شریک کر لیتا تھا، وہ یہ کہ صبح اٹھتے ہی جب کہ باہر ہر طرف سناٹا ہوتا تھا، میں دوڑ لگاتا ہوا قلعہ کنہ قاسم باغ کی طرف جاتا اور وہاں جا کر اسٹیڈیم میں دوڑتا ہوا کئی چکر لگاتا اور وہیں پر دوڑ کے دوران تیل کے ساتھ بدن کی مالش وغیرہ کر لیتا۔ پھر اسی طرح دوڑتے ہوئے واپس مسجد آ جاتا۔ مسجد آ کر پھر غسل وغیرہ سے فارغ ہوتا۔ اس تمام عمل سے فارغ ہونے کے بعد بھی تہجد پڑھنے کے لیے کافی وقت بچ رہتا تھا۔ تہجد سے فارغ ہو کر اسباق کے مطالعے میں مشغول ہو جاتا اور نماز فجر کے بعد کا درس بھی میرے ذمے تھا، اس کی تیاری کرتا اور نماز فجر بھی میرے ذمے داری میں شامل تھی۔ نماز پڑھا کر، درس دے کر، دودھ وغیرہ جو کہ صبح کا ناشتہ تھا، وہ کر کے مدرسے چلا جاتا۔ ناشتہ میرا اکثر یہ ہوتا تھا کہ رات کو عشا کے بعد اپنا آدھا سیر دودھ اُبال کر اس میں کدوکش کی ہوئی گاجر کو ابال کر تھوڑا سا پکا لیتا۔ پھر کسی کھلی جگہ پر لٹکا دیتا۔ صبح تک گاجروں کی یہ کھیر ٹھنڈی ہو چکی ہوتی تھی۔ بس یہی تقریباً اکثر میرا صبح کا ناشتہ ہوتا تھا۔ گاجریں کدوکش کرنے کے لیے مستقل میں نے اپنے لیے ایک کدوکش خرید لیا تھا۔ جو اس وقت 4 آنے (پچیس پیسے) کا آیا تھا۔ وہ 1970ء میں میرے دورہ حدیث سے فارغ ہونے تک اسی مقصد کے لیے میرے پاس رہا۔ دورے سے فارغ ہونے کے بعد مدرس بننے تک اب 2009ء تک میرے پاس موجود ہے اور گھر میں زیر استعمال ہے۔

ایک دلچسپ بات

فرمایا: یہاں پر ایک اور دلچسپ بات ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ ایک دن نماز

فجر کے بعد حسب معمول میں ناشتہ کرنے میں مشغول تھا۔ مسجد سراجاں کے قریب رہنے والے ایک بزرگ حاجی گلزار صاحب جن کا بیٹا حافظ محمد الیاس ہمارے گردان کے سال کا ساتھی ہے، مجھے آ کر ملے۔ حاجی صاحب پہلے بھی ملتے رہتے تھے، لیکن اُس دن ایک جلال کی سی کیفیت میں میرے پاس آئے اور آ کر کہنے لگے کہ قاری صاحب! آپ بھی عجیب آدمی ہیں کہ اتنے دنوں سے کچھ پیسے مجھ سے بطور قرض لیے ہوئے ہیں، ابھی تک واپس نہیں کیے۔ یہ انہوں نے اپنی طرف سے فرضی بات کہی تھی۔ میں حیران اور ششدر رہ گیا۔ پریشانی کی حالت میں کبھی حاجی صاحب کے چہرے کی طرف، کبھی ہاتھ اور کبھی پاؤں کی طرف دیکھتا ہوں۔ میری نظر مسلسل اسی طرف لگی ہوئی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ حاجی صاحب کیا بات کر رہے ہو اور کس سے کر رہے ہو؟ یہ بات تو میرے متعلق نہیں ہے جو بات آپ کر رہے ہیں؟ انہوں نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی اس بات کو بڑے گرج دار انداز میں پانچ چھ مرتبہ دہرایا۔ پھر آخر میں کہنے لگے کہ اگر یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تو میں آج ہی حضرت بڑے قاری صاحب سے شام کو ملوں گا۔ ان کی یہ آخری بات سن کر میرے ہوش وحواس اڑ گئے کہ یہ شام کو میرے بارے میں بڑے حضرت سے بات کرے گا۔ اسی کشمکش میں تقریباً دس پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ حاجی صاحب موصوف میری طرف دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور فرمانے لگے کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تیرا علاج کرنا تھا وہ ہو گیا۔ یہ بات میں نے ویسے ہی فرضی کی تھی اور پوچھنے لگے کہ دیکھو غور کرو! وہ جو ہچکی تمہیں لگی ہوئی تھی، بند ہو گئی ہے کہ نہیں؟ میں نے غور کیا تو محسوس کیا کہ میری ہچکی بالکل بند اور ختم ہو چکی تھی۔

واقعہ یہ تھا کہ اس دن صبح تہجد کے وقت سے ہی مجھے ہچکی بہت زیادہ آ رہی تھی اور نماز بھی چونکہ میں پڑھاتا تھا، نماز کے دوران بھی زیادہ آتی رہی اور بعد میں میں نے درس بھی دینا ہوتا تھا اس میں بھی بہت زیادہ آتی رہی۔ حاجی صاحب موصوف اس بات کو جان گئے کہ ہچکی بہت زوردار لگی ہوئی ہے۔ وہ میری اس ہچکی کا علاج کرنے کے لیے اندر کمرے میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے یہ باتیں کہیں اور ان کا یہ علاج خوب کامیاب ہوا اور میں نے اس کا مشاہدہ کیا۔

بعد میں فرمانے لگے کہ یہ میرے مجربات میں سے ہے اور میرے پاس ہچکی کا یہ بڑا کامیاب علاج ہے۔ جس کو ہچکی لگی ہوئی ہو اس کے اوپر ایسی کوئی بات فوری مسلط کر دی جائے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ جس سے اس کا ذہن ہر طرف سے ہٹ کر صرف اسی بات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس کو پندرہ بیس منٹ اسی بات میں الجھائے رکھو۔ میں نے خود بھی طلبا پر اور گھر کے کئی افراد پر بھی اس کا تجربہ کیا اور کامیاب پایا۔

اس واقعے میں اصل بات جو سامنے لانا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت کی برکت سے ہم سب مسجد سراجاں میں رہنے والے ساتھیوں کو ابتدائی زمانہ طالب علمی سے تہجد کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اللہ کی محبت اور خوف تو ابھی تک نصیب نہیں ہو سکا۔ اللہ مجھے بھی اور متعلقین کو بھی کامل درجہ کا نصیب فرمائے۔ لیکن ظاہری طور پر حضرتؒ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ تہجد چھوٹ جانے پر ان کے سامنے جواب دہی کا خوف دامن گیر تھا۔

اللہ پاک مجھے بھی سب معلمین، متعلمین اور متعلقین کو بھی تہجد اور اس وقت میں اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

بڑوں کی شفقتیں، سعادتوں کی بارات

1970 میں دورہ سے فراغت کے بعد حضرت نے میری تقرری رحیم یار خان مدرسہ تجوید القرآن میں فرمائی۔ سال پورا ہونے سے قبل فرمایا: ''بڑے حضرت قاری فتح محمد صاحب سے رابطہ کرو۔ التجا کرو اور عرض کرو کہ یہ میرا پہلا سال ہے اور پہلا امتحان ہے، آپ امتحان کے لیے تشریف لائیں۔'' حضرت کے فرمانے اور متوجہ کرنے پر میں نے بڑے حضرت سے مؤدبانہ پرزور درخواست کی۔ حضرت نے تشریف لانے کا فیصلہ فرمالیا۔

امتحان شروع فرمایا اور مجھے پاس ہی بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ کمی کوتاہی پر ساتھ ساتھ ہی متوجہ فرماتے رہے۔ ایک بات خوب یاد ہے کہ طلبا سے متعدد جگہ سے سنا۔ ہر طالب علم ہر نئی جگہ سے تعوّذ سے شروع کرتا۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''یاسین! تیرے شاگردوں کے پاس

تو شیطان بالکل نہیں آتا ہوگا۔''

مقصد اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ درمیان میں اگر غیر کلام واقع نہ ہو تو تعوّذ کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس موقع امتحان پر بہت ہی شاباش اور بہت ہی دعائیں عطا فرمائیں۔ امتحان سے فارغ ہو کر ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں پر حضرت قاری رحیم بخش صاحب کو بتایا اور کام کی تعریف فرمائی۔ جس پر حضرت کو بہت خوشی ہوئی۔ حضرت نے بڑے حضرت کی طرف سے کام کی تعریف اور اپنی خوشی سے بھرپور ایک خط لکھا اور تاکید فرمائی کہ جو قابل اصلاح باتیں حضرت نے ذکر فرمائی ہیں، پوری محنت سے اصلاح کرو۔

رحیم یار خان میں میرا قیام مختصر تقریباً دو سال ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت نے فیصل آباد میں تقرری فرمائی۔ باغ والی مسجد میں دو سال بعد حضرت کی خدمت میں امتحان کی درخواست کی گئی۔ حضرت ایک ہفتہ کے لیے تشریف لائے۔ ایک ہفتہ میرے پاس باغ والی مسجد میں قیام فرمایا۔ محدود طلبا تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے بہت وقت صرف کر کے تفصیل سے امتحان لیا۔

امتحانی ہفتے کے بعد مجلس امتحان میں موجود احباب سے فرمایا: ''ماشاء اللہ! یاسین نے فیصل آباد کو ملتان بنا دیا۔'' حضرت کے یہ ارشادات سننے والے اب بھی موجود ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کا یہ اعتماد میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔

اس وقت تک مدرسہ کا کوئی نام بھی نہیں تجویز ہوا تھا۔ جب رپورٹ لکھوانے لگے تو پوچھا کہ مدرسے کا نام کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ نام تو ابھی تک کوئی نہیں رکھا۔ اتفاق کی بات حضرت کے ساتھ آنے والے خدّام میں ایک کا نام ضیاء الدین صاحب تھا اور وہی رپورٹ لکھنے کے لیے بیٹھے تھے۔ جب عرض کیا گیا کہ مدرسہ کا نام تو کوئی نہیں۔ فرمایا: ''جناب صاحب! پھر مدرسہ کا نام ضیاء القرآن ہی رکھ دیتے ہیں۔'' اس طرح یہ حضرت کا تجویز کردہ نام [مدرسہ ضیاء القرآن باغ والی مسجد] رکھ دیا گیا۔

میں نے ہمیشہ اس بات کو ادب کے خلاف سمجھا کہ حضرت موجود ہوں اور سند حفظ کی میں

جاری کروں۔حضرت کی حیات میں میری پوری کوشش رہی کہ جو میرے پاس حفظ کرے وہ گردان حضرت کے پاس ملتان خیر المدارس میں کرے۔

1982 میں حضرت کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد اپنی طرف سے سند جاری کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔

ساتواں باب

اپنے طلبہ کی تربیت ایسے کریں

تربیت طلبہ کے لیے اٹھارہ اہم نصائح

اس کتاب کا اصل موضوع مدرسین کی خصوصی تربیت ہے۔ اس لیے کہ معاشرے کی صحیح خطوط پر تربیت کا سرچشمہ اساتذہ کرام ہی ہوتے ہیں۔ گزشتہ چھ ابواب میں اس سلسلے کے متعدد پہلو آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ یہ ہدایات ہمیں مسلسل مواعظ کی شکل میں میسر آئیں۔ لہٰذا انہیں مرتب انداز میں جزوِ کتاب بنایا گیا۔ تاہم کتاب ترتیب دینے کے بعد اس قدر تشنگی محسوس ہوئی کہ ''طلبہ کی تربیت'' کے حوالے سے بھی محترم مدرسین کے لیے روشنی کا سامان مہیا کیا جائے۔ اس باب کی حیثیت مضمون پڑھنے کے بعد اس کی عملی مشق کی سی ہے۔ آپ نے گزشتہ ابواب میں جو تربیت حاصل کی، اب اپنے طلبہ پر ان اصولوں کو جاری کرنے کے لیے اس باب کے مندرجات ملاحظہ فرمائیے۔ ساتویں باب میں حضرت والا دامت برکاتہم کے ملفوظات کے علاوہ مختلف موضوعات اور عنوانات بھی لکھ دیے ہیں تاکہ اساتذہ کرام ان کی روشنی میں طلبہ کی تربیت کے لیے سلسلہ وار مذاکرہ بآسانی فرماسکیں۔ چونکہ اس کتاب میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ تمام باتیں حضرت قاری صاحب مدظلہم العالی ہی کی بیان فرمودہ شامل کی جائیں۔ اس لیے تربیت طلبہ پر کوئی مسلسل وعظ دستیاب نہ ہونے پر اولاً حضرت کی متفرق نصائح پیش کی جاتی ہیں۔

مرتب عفا اللہ عنہ

اگر ایسا ہو جائے....

فرمایا: یہ عجیب بات ہے آج مدرسین کی تربیت کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ چند دہائیاں قبل تک اس کا کوئی تصور تک نہ تھا۔ ایک فارغ التحصیل فاضل، تعلیم میں رسوخ پیدا کرنے کے ساتھ اپنے اساتذہ کی سیرت و کردار کو بھی اپنے اندر جذب کر چکا ہوتا تھا۔ پھر وہ انہی خطوط پر اپنے طلبہ کی تربیت شروع کر دیتا۔ آج اساتذہ خود تربیت کے محتاج ہو گئے۔ لہٰذا آج طلبہ بھی لولے لنگڑے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کی تعلیم معیاری ہے نہ تربیت مثالی ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مدرسین اپنے آپ کو سنوار لیں تو اس کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ آپ طلبہ کی تربیت کیسے کریں؟ طالب علم استاذ کی عادات واطوار غیر شعوری طور پر اپناتا ہے۔ اس لیے آپ طلبہ کی تربیت چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو مثالی بنا کر طلبہ کے سامنے پیش کر دیں، امید ہے کسی اور نصیحت، تربیت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔

آج کے دور میں تدریب المدرسین وغیرہ کے عنوان سے اساتذہ کی تربیّت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بہت اچھا عمل ہے، کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ لیکن جس طالب علم کی زمانہ طالب علمی میں ہی مضبوط سننے سنانے، غلطیاں وغیرہ نکالنے کی مشق کروادی گئی ہو، تعلیم و تدریس کے اعتبار سے ان کے ہم پلہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ صفت ہمارے حضرت رحمہ اللہ علیہ کی درسگاہ میں علی وجہ الکمال پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے ان کی درسگاہ سے پڑھ کر نکلے ہوئے جس شہر ،صحرا، جنگل جہاں بھی بیٹھ گئے انہوں نے اپنے شہر میں اپنی تعلیم و تدریس کے بہترین نتائج کے ذریعے لوگوں کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا کہ مضبوط اور معیاری حفظ کا نظام اسی سلسلے میں ہے۔

ماں کی گود میں

فرمایا: ہمارے ہاں مختلف عمروں کے بچے آتے ہیں۔ کچھ بڑی عمر کے ہوتے ہیں جن میں سے بعض پہلے سے تربیتی نقائص لے کر آتے ہیں۔ بعض کی مثال بالکل سفید کپڑے کی سی ہوتی

ہے۔جن کی آرائش کر کے ہم نے قابل دید بنانا ہوتا ہے۔ بہر حال! بچے جس قسم کے بھی ہوں، وہ اپنی ساخت و پرداخت میں ہماری خصوصی توجہ کے محتاج ہوتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اساتذہ طلبہ کو بچہ سمجھ کو چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے ہوں گے تو خود ہی سیکھ جائیں گے۔ وہ ان کی تربیت سے غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سنگین غلطی ہے۔ کیونکہ طالب کی مثال ماں کے پیٹ میں موجود بچے کی سی ہوتی ہے۔ جس طرح پیدائشی نقص دور نہیں ہوسکتا۔ اس طرح اگر 8،10 سال مدرسے میں گزارنے والا طالب علم بہترین تربیت سے محروم رہا تو معاشرے میں جا کر یہ کیا گل کھلائے گا؟''

اسی طرح پر شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''زمانہ طالب علمی کی تربیت ہی زندگی کی آخری سانس تک کام آتی ہے۔'' پتہ چلا ہم میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے طلبہ کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دے۔

تربیت یافتہ کی مثال

فرمایا: ظاہری خوبصورتی سے بڑھ کر باطنی اوصاف کے ساتھ مزین ہونا ضروری ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پھل دار درخت عموماً ظاہری خوبصورتی سے خالی ہوتے ہیں۔ جبکہ بے پھل درخت اس کے برعکس۔ جیسے سرو کا درخت، جس کا شیخ سعدی نے بھی کریما میں تذکرہ فرمایا ہے۔ لیکن عامۃ الناس کے لیے زیادہ مفید پھلدار درخت ہی ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہم اگرچہ ظاہری بناوٹ سجاوٹ نہ بھی رکھتے ہوں، مگر تربیت یافتہ ضرور ہوں تو یہ اچھا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم اپنے قول وعمل سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے والے ضرور ہوں گے۔ اس مقصد کے لیے اپنی بری عادات کو یکسر چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ ہماری تربیت میں مخل ہوتی ہیں۔

چھٹی دینے سے پہلے....

فرمایا: طالب علم کو چھٹی دینے سے پہلے اچھی طرح سمجھائیں کہ اس میں آپ کی تعلیم کا

حرج ہے۔ اگر اس کے بغیر گزارہ ہوسکتا ہے تو رک جائیں، چھٹی نہ کریں۔

ہم نے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول دیکھا کہ جب کوئی ان سے چھٹی لینے کے لیے آتا تو اسے صرف شدید ضروری کام کے لیے چھٹی دیتے۔ ساتھ ہی فرماتے: ''حافظ قرآن کا چھٹی سے کیا تعلق ہے؟ اسے تو وہاں بھی چھٹی نہ ہوگی جہاں لوگوں کو ہر عمل سے چھٹی مل جائے گی۔'' اشارہ تھا اس حدیث پاک کی طرف کہ ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حافظ قرآن سے فرمائیں گے: اِقرأ و ارْتَقِ وَرتِّل كَمَا كُنتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنيَا''. یعنی ''ترتیل کے ساتھ پڑھتا جا اور جنت کی سیڑھیاں چڑھتا جا۔ جس طرح کہ تو دنیا میں ترتیل کے ساتھ تلاوت کیا کرتا تھا۔''☆

امتحانات میں تلاوت موقوف کرنا

فرمایا: شعبہ کتب کے بعض طلبہ امتحان کے ایام میں تلاوت موقوف کر لیتے ہیں۔ وہ ان دنوں میں اس تلاوت کو تیاری میں مخل سمجھتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا سکول وکالج کے طلبہ امتحان کے دنوں میں نماز وتلاوت کا اہتمام شروع کر دیتے ہیں۔ جن دنوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ لو لگانے کی ضرورت ہوتی ہے ہم اس سے اپنے آپ کو فارغ کر لیتے ہیں۔ یہ تو بڑا دھوکہ ہے۔

ہم نے حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں سنا بھی اور مشاہدہ بھی کیا کہ اگر ان کے پاس کوئی صاحب اپنی پریشانی بیان کرتے تو آپ فرماتے: ''لگتا ہے آپ نے ان دنوں تلاوت چھوڑ دی یا کم کر دی ہے۔ اگر ان 2 میں سے کوئی صورت نہیں تو پھر مقررہ مقدار پر کچھ مزید اضافہ کرلو۔ آپ رحمہ اللہ کا یہ عمل اس حدیث کے پیش نظر تھا کہ ''جس جگہ تلاوت ہوتی ہے وہاں اللہ کی رحمت اترتی ہے۔'' لہٰذا امتحان کے دنوں میں کم یا موقوف کرنے کے بجائے اس میں اضافہ کرنا چاہیے۔

☆ صحیح ابن حبان: 39/4

امتحانی ہدایات

فرمایا: اساتذہ کی دعائیں طلبہ کی تربیت کے لیے تیر بہدف ثابت ہوتی ہیں۔ اپنے بچوں کے لیے خصوصی دعا کیا کریں۔ امتحان کے زمانے میں خصوصی تیاری کروائیں۔ انسان کے گناہ اس کی کامیابی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ طلبہ کو بے ادبی، معاصی اور بد محنتی سے بچنے کی تلقین کریں۔ پرچہ حل کرنے کا طریقہ بھی بتادیں ان کی وضع قطع پر نظر رکھیں۔ انہیں مختلف اذکار اور خصوصی دعائیں بتلائیں۔ مثلاً: سورۃ قریش، سورۃ الم نشرح پڑھ کر دم کریں۔ آخر میں درود شریف اور حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل کثرت سے پڑھیں۔ پرچہ مکمل کر لینے کے بعد حل شدہ پر نظر ثانی ضرور کرنی چاہیے۔

جذبہ بڑھانے کے لیے

فرمایا: یوں تو اپنی تعریف اور کارناموں کا تذکرہ مناسب نہیں ہوتا۔ تاہم کسی خاص موقع پر اپنے کامیاب تجربے کا طلبہ کے سامنے ذکر کر دیں۔ اس سے ان کا جذبہ بڑھتا ہے اور فوری فائدہ ہوتا ہے۔

ان مساکین کو بھی نہ بھولیں

فرمایا: ہمارا معمول ہے جب کوئی نئی تعمیر شروع کرتے ہیں تو اس میں طلبہ کو بھی حصہ ڈالنے کا موقع دیتے ہیں۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:

1) ان کے عطیات بہت بابرکت ہوتے ہیں۔ اس کے لیے ہم یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ دو شخص سب طلبہ کے سامنے جھولی پھیرتے ہیں۔ ہم ہر طالب علم کو کہتے ہیں وہ اس میں ہاتھ ڈالے۔ خواہ کوئی خالی ہاتھ ہی اس میں داخل کرلے۔ پھر جو کچھ حاصل ہوا سے عمارت میں لگنے والے پیسوں میں شامل کر لیتے ہیں۔

2) اس میں بچوں کی تربیت بھی ہے۔ ان کو خرچ کرنے کی عادت پڑے گی۔ اس لیے اس

کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

ہمارے مدرسے میں جب ایک عمارت کی تعمیر شروع ہونے لگی تو میں نے گھر میں اپنی اہلیہ سے بات کی۔ انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے میراث میں ملنے والا سونے کا کڑا دے دیا۔ اس کی قیمت تقریباً 50 ہزار روپے تھی۔ اسی طرح پر گھر میں موجود بہوؤں نے بھی اپنی ایک ایک انگوٹھی مدرسے کے لیے دی۔

طلبہ کو ان کی قدر دلائیں

فرمایا: طلبہ کو یہ احساس دلائیں کہ آپ بہت قیمتی ہیں۔ ان کے فضائل بیان کریں۔ معاشرے میں ان کا کیا کردار ہے؟ اس کی اہمیت واضح کریں۔ آج کل طلبہ کچھ دنیا والوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے، کبھی برادری والوں کے طعنوں کے باعث اور بعض اوقات اسکول، کالج کے لڑکوں کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

یہ اپنی ذات میں ہیرے جواہر ہیں۔ انہیں اپنی قدر نہیں۔ جو لوگ انہیں کمتر خیال کرتے ہیں۔ انہیں ان جواہر کی شناخت نہیں۔ اگر وہ پہچان لیں تو اپنے قول وعمل سے باز آجائیں۔ جس طرح ایک استاذ نے طالب علم کو ایک مسئلہ بتایا۔ ساتھ ہی کہا: یہ مسئلہ پورے ایک لاکھ کا ہے۔ اس طالب علم نے اس بات کو حقیقت سمجھ کر اس پر یقین کرلیا۔ سادگی کا دور تھا۔ اسے ضرورت پڑی وہ جوتا سلانے کے لیے موچی کے پاس گیا۔ جب موچی سارا کام کر چکا تو طالب علم بیٹھ گیا۔ کہا: پیسے میرے پاس نہیں ہیں۔ تمہیں ایک لاکھ کی بات بتاتا ہوں۔ موچی نے کہا: بتاؤ! اس نے مسئلہ بتادیا۔ موچی نے کہا یہ مسئلہ اپنے پاس رکھ۔ مجھے پیسے دے۔ طالب علم بہت پریشان ہوا۔ استاذ نے تو اس کی قیمت ایک لاکھ بتائی تھی۔ یہ اسے ایک آنے کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ موچی نے کہا: جوتا میرے پاس رہنے دے۔ جا کر پیسے لے آ۔ وہ حیران وپریشان استاذ کے پاس پہنچا اور واقعہ بتایا۔ استاذ نے کہا تم نے اعتماد تو پورا کیا۔ مگر مطلب پورا نہیں سمجھا۔

اب استاذ نے طالب علم کو سمجھانے کے لیے ایک کام کیا۔ اسے ایک موتی دیا۔ کہا: فلاں

سبزی والے کو یہ دے کر سبزی لے آؤ۔ جب سبزی فروش سبزی تول چکا تو طالب علم نے موتی آگے کر دیا۔ اس نے اٹھا کر مارا وہ موتی نالی میں جا گرا۔ طالب علم نے بڑی مشکل سے تلاش کیا اور استاذ کو سارا قصہ سنایا۔ استاذ نے کہا: اب فلاں جوہری کو دکھا کر قیمت پوچھ کر آؤ۔ جوہری نے جونہی موتی کو پکڑا اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ ایک نظر موتی کو دیکھتا تو دوسری بار طالب علم کو تکتا۔ اس نے پوچھا: سچ بتاؤ! یہ کہاں سے لیا تم نے؟ اس نے بتایا کہ استاذ محترم نے دیا ہے۔ جوہری نے کہا: تو بھی چور ہے تیرا استاذ بھی چور ہے۔ فوراً پولیس کو بلوایا اور استاذ شاگرد حوالات پہنچ گئے۔

پولیس والے نے کہا: یہ ہیرا اتنا قیمتی ہے کہ سارے جوہری مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ یہ بادشاہ وقت کے تاج کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا۔ اس پر استاذ نے وضاحت کی: دراصل فلاں بادشاہ میرے مہمان ہوئے تھے۔ وہ جاتے وقت ہدیہ دے کر گئے تھے۔ میرے نزدیک اس کی خاص وقعت نہیں۔ گھر میں پڑا تھا۔ طالب علم کو بات سمجھانے کے لیے جوہری کے پاس بھیجا تھا۔ تفتیش کی گئی تو استاذ محترم کی باتیں سچ ثابت ہوئی۔

جب سب اپنی جگہ آ گئے تو اب استاذ نے کہا: جوہر کی قیمت جوہری ہی جان سکتا ہے۔ اس ہیرے کو جس پر پورا محکمہ حرکت میں آیا، سبزی فروش نے نالی میں پھینک دیا تھا۔ اس طرح موچی بھی مسئلے کی قیمت کو نہ جان سکا۔

بہر حال! دینی مدارس کے طلبہ ہیرے وجواہر بلکہ ان سے ہزار گنا بڑھ کر قیمتی ہیں۔ مگر معاشرہ اس موچی اور سبزی فروش کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی قیمت نہیں سمجھا۔

اخراج کی نوبت کب آتی ہے؟

فرمایا: جو طالب علم گھر بار، والدین اور دنیا کی آسائشوں کی قربانی دے کر پڑھنے کے لیے آتا ہے۔ استاذ حتی الامکان اس کی تعلیم مکمل کروانے کی اور اسے کامیاب کرنے کی کوشش کرے۔ مختلف حیلوں حوالوں سے اس کے ساتھ چلے۔ لیکن اگر طالب علم بے حیا ہو جائے۔ ضوابط کی کوئی

پرواہ نہ کرے۔اساتذہ کی شفقت سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگےتو اس کا اخراج کیا جاسکتا ہے۔

خام سے کندن بننے تک

فرمایا: فقط بہترین مدرس وہی بنتا ہے جس سے زمانہ طالب علمی میں ہی استاد خوب باریکی کے ساتھ سننے سنانے کا، غلطیاں نکالنے اور غلطیاں لگانے کی مشق کرواتا رہے۔ ان تمام معاملات میں غفلت اور بے توجّہی کا مظاہرہ کرنے والے طلبا کی خوب سرزنش کرتا رہے۔

درمندانہ درخواست

ایک مجلس میں شعبہ کتب کے اساتذہ سے مخاطب ہوکر درمندانہ فرمایا:

''اکابر کے حالات زندگی کا خوب مطالعہ کریں۔ دوران درس طلبہ کو اکابر علمائے دین کے حالات زندگی سے آگاہ کریں۔ انہیں تعارف کروائیں۔ ان کے نقش قدم پر چلائیں۔'' اکابر کے حالات پڑھنے کا ذوق طلبہ تو کجا اساتذہ کے اندر سے بھی نکل گیا ہے۔

تربیت کے لیے چند آزمودہ نسخے

کس بچے کی تربیت کس طرح کی جائے؟ اس میں ہر استاد کی اور ہر منتظم کی ذاتی رائے، ذاتی تجربہ اور اپنا طریقِ کار ہی کارگر اور مفید ہوتا ہے۔ البتہ بعض طریقے عمومی طور پر اکثر طلبہ کے لیے مفید اور کارآمد ہوتے ہیں، چنانچہ طلبہ کی تربیت کے لیے چند ایسے آزمودہ نسخے ذکر کیے جارہے ہیں جنہیں بروئے کار لاکر مثبت نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اس حوالے سے کچھ باتیں گزشتہ صفحات میں ضمناً آبھی چکی ہیں۔ تاہم موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں وضاحت وصراحت کے ساتھ بطور مشورہ کچھ مزید طریقے ذکر کیے جاتے ہیں:

۱) تعلیم کروانا اور کتابیں پڑھ کر سنانا:

ہمارے اکابر کی لکھی ہوئی بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی مسلسل تعلیم طلبہ کے سامنے ہوتی رہے۔ خود استاد یا ان کی نگرانی میں کوئی طالب علم پڑھ کر سناتا رہے۔ وہ ان کے ذہن میں بیٹھ

جاتی ہیں۔ اکثر عمل بھی کرتے ہیں اور یہ پڑھا ہوا یا سنا ہوا آئندہ زندگی میں انہیں کام آتا رہتا ہے۔ اس تعلیم کا وقت کسی فرض نماز، مثلاً: عصر یا عشا کے بعد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کسی چھٹی کے وقت کے آخر میں بھی کچھ منٹ اس کے لیے خاص کیے جا سکتے ہیں۔

مندرجہ ذیل چند کتابیں اس حوالے سے بہت نافع ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک یا باری باری سب کتابیں طلبہ کو پڑھ کر سنائی جائیں۔ ان شاءاللہ بہت جلد اس کے ثمرات دیکھنے میں آئیں گے۔ مثلاً:

١: فضائل اعمال
٢: فضائل صدقات
٣: علیکم بسنتی
٤: اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
٥: آداب المتعلمین
٦: اکابر کا تقویٰ
٧: آداب معاشرت
٨: حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات
٩: مثالی شاگرد
١٠: آپ بیتی

دعوت وتبلیغ کے اعمال میں شرکت کرنا:

بڑی عمر کے طلبہ کو ترغیب دے کر ان کے فارغ اوقات کو تبلیغی اعمال میں مصروف کیا جائے۔ تجربے میں یہ آیا ہے کہ جو طلبہ جمعرات کو شب جمعہ کے لیے جاتے ہیں، نیز تعطیلات میں سہ روزہ لگانے کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی بڑی حد تک تربیت واصلاح ان اعمال میں جڑنے سے ہی ہو جاتی ہے۔ فراغت کے بعد اسی قسم کے طلبہ مزید وقت بھی لگاتے ہیں، چلہ چار ماہ کے لیے نکلنا ان کے لیے دشوار نہیں ہوتا۔ ایسے حفاظ واپس آکر شعبہ تحفیظ کے میدان میں بہترین انداز میں کام کرتے ہیں۔ ایسے مدرسین کی کارکردگی دوسروں کی بہ نسبت بہت بہتر ہوتی ہے۔

لہٰذا محترم اساتذہ کرام بڑی عمر کے طلبہ کی اچھی تربیت کے لیے مذکورہ ترتیب کو اپنا لیں تو ان شاءاللہ اس سے جہاں عوام الناس مستفید ہوں گے، وہیں طلبہ کی بحیثیت طالب علم اور بحیثیت مدرس تربیت کا عمل بھی بخوبی انجام پائے گا۔

سنت کے سانچے میں ڈھلی زندگی:

صبح سے لے کر شام اور رات سے لے کر صبح تک کا بیشتر وقت ایک مدرس کا اپنے طلبہ کے

سامنے گزرتا ہے۔کسی کے 12 تو کسی کی 20، 22 گھنٹے کی زندگی اپنے تلامذہ کے سامنے گزرتی ہے۔ایسی صورت میں اگر ایک مدرس کے یہ اوقات سنت کے مطابق گزرتے ہیں تو ان کی تاثیری قوت کسی بیان اور زبانی نصیحت سے کئی درجے بڑھ کر ہوگی۔اس لیے کہ شاگرد لاشعوری طور اپنے استاد کے طور اطوار کو اپناتا چلا جاتا ہے۔عموماً دیکھا گیا ہے جو اساتذہ اشراق، چاشت، تحیۃ المسجد اور بروقت سجدہ تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں، ایسے مدرس کے طلبہ ان اعمال کے خصوصی طور پر شوقین ہوتے ہیں۔لہٰذا تربیت کے سلسلے میں استاد کا اپنا عمل بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اگر زیادہ نہیں تو صرف ایک مہینہ ہی آزمائشی طور اس نکتے پر عمل کر کے دیکھیں۔آپ اس سے پہلے اور بعد کی حالت میں دھوپ چھاؤں جیسا فرق محسوس کریں گے۔

صحبت صالح:

مدرسے کے اندر یا قرب وجوار میں کسی اللہ والے کی مجلس میسر ہو تو اسے موقع غنیمت جاننا چاہیے۔ اس میں خود جانا اور بڑے طلبہ کو لے جاتے رہنا جانبین کی اصلاح میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

یومیہ مذاکرہ:

طلبہ کی تربیت کے حوالے سے بہت ہی نافع اور زود اثر ایک عمل روزانہ کا مذاکرہ بھی ہے۔صرف 15 یا 20 منٹ طلبہ کے سامنے کسی موضوع پر مذاکرہ کیا جائے تو انہیں قدم قدم پر رہنمائی میسر آتی رہے گی۔یہ مذاکرہ ہر روز کسی نئے موضوع پر ہونا چاہیے۔موضوع پر گفتگو سے پہلے بھرپور تیاری کرنی چاہیے۔موضوعات کا انتخاب اس انداز سے کیا جائے کہ طلبہ کی عمر، ذہن اور ضرورت کا اس میں بھرپور خیال کیا گیا ہو۔

[معزز مدرسین کی سہولت کے لیے ایسے تمام موضوعات کی فہرست پیش کردی گئی ہے۔نیز نمونے کے دو ''مذاکرے'' بھی تیار کر کے جزو کتاب بنا دیے گئے ہیں۔امید ہے بصیرت کا باعث ہوں گے۔مرتب]

☆☆☆

موضوعات برائے مذاکرہ

پس منظر:

آج سے تقریباً اٹھارہ سال قبل (سن1996ء میں) جب ناچیز (محمد حسین) باغ والی مسجد میں حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی درسگاہ میں پڑھ رہا تھا۔ بڑا بابرکت زمانہ تھا۔ کبھی کبھی حضرت اقدس حضرت قاری صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ضرب تادیبی کی سعادت بھی نصیب ہو جاتی تھی۔ اس زمانے میں ایک قاری صاحب تھے جو باغ والی مسجد میں مدرس بھی تھے اور اس کے علاوہ حضرت کے حکم سے شعبہ حفظ کے ذمہ دار بھی تھے۔ وہ قاری صاحب روزانہ عشا کی نماز کے بعد تمام طلبہ کو مسجد کے صحن کے سامنے والے بڑے ہال میں جمع کر کے مذاکرہ کرتے تھے۔ ہر روز ایک نئے موضوع پر بات کرتے تھے۔ ہر موضوع پر بہت مفید اور کارآمد باتیں بتائی جاتیں۔ ان باتوں سے ہمیں بہت فائدہ محسوس ہوتا۔ بڑی محبت اور شوق سے سنتے تھے۔ تھا تو بچپن اور ساتھ میں طالب علمانہ غفلت بھی، بایں ہمہ یہ شوق چرایا کہ آخر یہ روز نت نیا موضوع کہاں سے لے آتے ہیں؟

ایک دن جمعرات کو ذرا ہمت کر کے میں نے ان کے کمرہ میں جا کر عرض کیا کہ حضرت! آپ کا یہ یومیہ مذاکرہ بہت مفید ہوتا ہے۔ اس وقت میں پوری توجہ سے سنتا ہوں، مگر ایک، دو دن کے بعد گزشتہ بات بھول جاتی ہے۔ اگر کچھ آپ کے پاس لکھا ہوا ہو تو میں فوٹو کاپی کروانا چاہتا ہوں۔ تاکہ یاد بھی کرتا رہوں اور آئندہ زندگی میں بھی کام آئے۔ قاری صاحب نے نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا کہ کل میری درس گاہ میں میرے پاس آنا۔ اگلے دن حاضر ہوا تو فرمایا کہ یہ بات آپ کے ذہن میں خود آئی ہے یا کسی نے کہا ہے۔ بندہ نے جیب سے ایک پھٹا ہوا کاغذ نکال کر دکھایا کہ حضرت کچھ دن تو میں تھوڑا تھوڑا لکھتا رہا ہوں۔ مگر پھر مکمل نہیں لکھ سکا۔ بس میرا

شوق ہے، کہا کسی نے نہیں۔ پوچھا: اسکول کتنا پڑھے ہو؟ جواب تھا کہ حفظ کے ساتھ پرائمری پاس کیا ہے۔ پھر ڈیسک کی دراز سے 4 صفحات نکال دیے کہ اس کی کاپی کرالو اور 'اصل' احتیاط سے واپس لے آنا۔

اس طرح ان موضوعات کی فہرست مجھے حاصل ہوگئی۔ وہ 4 صفحات میں نے گھر میں محفوظ کر کے رکھ دیے۔ پھر یہ محفوظ صفحات گھر میں ہی گم ہو گئے اور بھول گئے۔ جب چند سال قبل تدریس شروع کی۔ طلبہ کو چند دن تک کچھ باتیں سمجھائیں۔ پھر باتیں ختم ہوگئیں تو اب وہ گمشدہ صفحات یاد آنے لگے۔ تلاش بسیار کے بعد بالآخر گرد آلود چند صفحات گولائی میں مڑے ہوئے اچانک مل گئے۔ آج انہی موضوعات کو کافی اضافے اور نئی ترتیب کے ہمراہ حضرات مدرسین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس بھولے پن میں یہ بات حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ یہ چار صفحات آگے حضرت قاری صاحب کی اس مایہ ناز کتاب کا حصہ بنیں گے۔ مگر مذکورہ قاری صاحب کا نظریں بھر کر دیکھنے کا منظر آج بھی میرے سامنے ہے۔ اس وقت قاری صاحب کو اس مہربانی کے بدلے میں جزاک اللہ کہا، مگر آج میرے لیے وہ مہربانی احسان عظیم ہے جس کے لیے دل مشکور اور زبان دعا گو ہے۔

یہ فہرستِ مضامین پا کر اندازہ ہوا کہ واقعی یہ جو کہا جاتا ہے ''پرانی چیز سونا ثابت ہوتی ہے۔'' ایک بہت بڑا سچ ہے۔ یومیہ مختلف موضوعات پر مذاکرہ طالب کی انگلی پکڑ کر چلانے کے مترادف ہوگا۔ اساتذہ کن کتابوں کا مطالعہ کریں گے؟ اس کا تذکرہ پچھلے ابواب میں آچکا ہے۔

ان کتب کے علاوہ حضراتِ مشائخ کے چھپے ہوئے مواعظ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے ''اصلاحی خطبات''، حضرت حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے مواعظ، حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کے ''خطباتِ فقیر'' نیز حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم کے ''اصلاحی بیانات'' بہت سہل، مدلل اور تقریباً ہر موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔

موضوعات کے لیے چند عنوانات قائم کر کے اس کے مختلف پہلو ذکر کیے گئے ہیں۔ آپ اپنی صوابدید سے انہیں روزانہ یا ہفتہ واری مذاکرے کے لیے منتخب کر سکتے ہیں۔ ہر موضوع پر گفتگو سے پہلے مطالعہ فرمائیں۔ تاکہ ننھے دماغوں میں مستند بات ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکیں۔

اساتذہ کرام کی سہولت کے لیے یہاں نمونے کے دو مذاکرے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔ انہیں اسی ترتیب کے مطابق ہر روز ایک موضوع پر مذاکرہ یعنی طلبہ کے سامنے وعظ کرنے کی ترتیب بنا لی جائے۔ مذاکرے کا وقت کوئی بھی مقرر کر سکتے ہیں۔ 12 بجے کے قریب جو عام طور پڑھائی موقوف کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ یا عشا کے بعد یا اپنے ماحول کے لحاظ سے جو بھی مناسب سمجھیں، ترتیب بنا لیں۔

طہارت

۱- وضو کی فضیلت اور عملی طریقہ ۲- غسل کا مسنون طریقہ، فرائض وغیرہ
۳- جسم کے پوشیدہ حصوں کے بال صاف کرنا (بالغ طلبہ کے لیے)
٤- ڈاڑھی، مونچھ اور سر کے بالوں کی شرعی تفصیل
۵- ناخن کاٹنے کی تاکید (ایک خاص وقفے کے بعد چیک بھی کرنے چاہییں)

نماز

۱- نماز باجماعت کے فضائل ۲- نماز کے ضروری مسائل
۳- نماز پڑھنے کی عملی مشق کروانا ٤- امامت کے مسائل اور عملی مشق
۵- اذان واقامت، خطبہ جمعہ یاد کروانا
٦- دن بھر کی نفل نمازیں (تہجد اشراق، چاشت، سنن زوال، اوابین، صلوٰۃ الحاجات، نماز توبہ، نماز شکر، استخارہ وغیرہ کی فضیلت بتانا اور تلقین کرنا)
۷- جمعہ کے دن کے اعمال بتلانا، تلقین کرنا اور پوچھنا
۸- نماز جنازہ کا طریقہ بتانا اور نماز جنازہ پڑھنے اور پڑھانے کی عملی مشق کروانا
۹- ہر نماز کے بعد کی مسنون سورتیں، صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ، فضیلت

روزہ، عیدین، زکاۃ

۱- رمضان کی فضیلت، روزوں کی فضیلت ۲- روزے کے بنیادی مسائل
۳- تراویح کے ضروری مسائل ٤- اعتکاف کی فضیلت، ترغیب

تلاوت قرآن پاک

۱- حافظ قرآن بننے کی فضیلت ۲- سبعہ عشرہ قاری بننے کی فضیلت

۳- تلاوت قرآن پاک کی فضیلت
۴- تلاوت کے آداب
۵- ایصال ثواب کی اہمیت
۶- خاص سورتوں کی فضائل وفوائد
۷- مروجہ قرآن خوانی کے بارے میں
۸- مجمع میں تلاوت کی خصوصی تربیت
۹- نعت یاد کروانا، نعت پڑھنے کی خصوصی مشق کروانا

عیوب کی مذمت

۱- کافروں کی نقالی کی مذمت، ان کے طور اطوار سے نفرت دلانا اور اس سے بچنے کی تلقین
۲- گناہ کبیرہ کی مذمت اور ان کی فہرست بتانا
۳- جھوٹ کی مذمت
۴- حسد کی مذمت
۵- چغل خوری کی مذمت
۶- کینہ پروری کی مذمت
۷- غصہ کرنے کی مذمت
۸- غیبت کی مذمت
۹- امانت میں خیانت کی مذمت
۱۰- بدعت کی تفصیل اور اس کی مذمت
۱۱- رسومات کی مذمت
۱۲- ریاکاری کی مذمت
۱۳- لڑائی جھگڑا کرنے کے نقصانات
۱۴- بدنظری کی حرمت اور اس کے نقصانات
۱۵- حرام کمانے، کھانے اور کھلانے کی مذمت، نقصانات
۱۶- مشکوک مال سے اجتناب کرنا
۱۷- غیر محرم سے بے پردگی پر تنبیہ
۱۸- فضول خرچی کی مذمت
۱۹- استاد، مدرسہ اور کتابوں کی بے ادبی کا وبال
۲۰- ٹی وی، وی سی آر دیکھنے کا انجام
۲۱- تراویح پڑھانے پر مٹھائی اور رقم لینے کی مذمت

۲۲- دوستی اور تعلقات کے نقصانات

۲۳- دوسروں کی چیزیں بغیر اجازت اٹھانا، استعمال کرنا، چُرانا

خوبیوں کی ترغیب

۱- عالم بننے کی ترغیب

۲- جرأت وغیرت پیدا کرنے کے لیے واقعات سنانا

۳- تبلیغ دین کے لیے نکلنا

٤- دین کے لیے مالی وجانی قربانی

۵- خدمت کی فضیلت

(اپنے عمل کے ذریعے اس کی ترغیب زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے)

٦- اساتذہ کی خدمت

۷- ملک وقوم کی خدمت

۸- والدین کی خدمت

۹- اللہ کی مخلوق کی خدمت

۱۰- سچ بولنا، کم بولنا

۱۱- حیا اور پاک دامنی

۱۲- بے داغ جوانی

۱۳- درسگاہ میں پابندی کی ترغیب (واقعات)

صلح رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک

۱۵- اچھے اخلاق کی فضیلت اور نشاندہی

۱٦- صبر کی فضیلت

۱۷- شکر کی فضیلت

۱۸- دیانت وامانت کا خیال رکھنا

آداب معاشرت

۱- حقوق اللہ کی اہمیت

۲- حقوق العباد کی اہمیت

۳- صاف ستھرا لباس پہننا

٤- مہمان نوازی کی فضیلت اور اس کے آداب

۵- سونے کے آداب ۶- کھانے کے آداب

۷- مریض کی عیادت ۸- اپنے ظاہر کو سنت کے سانچے میں ڈالنا

۹- ٹوپی پگڑی کا زندگی بھر ہر حال میں اہتمام

۱۰- اسلامی تہذیب و معاشرت کا مطلب، اہمیت، فضیلت، فوائد

۱۱- خوشبو لگانے کے مسنون مواقع

دعائیں، اذکار

۱- درود پاک کے فضائل وفوائد ۲- دن بھر کی تسبیحات

۳- مسنون دعائیں، فضیلت بتانا، یاد کروانا

٤- اصلاحی تعلق کی اہمیت، ترغیب، رہنمائی

۵- تقویٰ کا اہتمام، فضائل، حصول کے طریقے

متفرق موضوعات

۱- آخرت کا تذکرہ ۲- جنت کا شوق پیدا کرنا

۳- دوزخ کا خوف دلانا ٤- عذاب قبر کا تذکرہ

۵- انبیائے کرام علیہم السلام کا مفصل تذکرہ (اس میں ہر نبی کا تذکرہ مستقل موضوع ہے)

٦- اکابر دیوبند کا تذکرہ (یہ بھی کئی موضوعات کو جامع ہے)

۷- مذہب اسلام کی خوبیاں

۸- معاصر علما و مشائخ کی عقیدت دل میں بٹھانا، ان کی زیارت کرنے اور دعائیں لینے کی ترغیب دینا۔ (پاکستان بھر کے بالخصوص اور دیگر ممالک کے علماء و مشائخ کا تعارف بھی کروائیں)

۹- علمائے دیوبند کی حقانیت

۱۰- ملک کی سلامتی کی فکر دلانا، محبت پیدا کرنا

۱۱- اپنی مادر علمی، اساتذہ اور ساتھیوں کا تذکرہ

۱۲- اپنے کامیاب اور ناکام تجربات بتانا

۱۳- امتحان کی تیاری کا طریقہ

۱٤- امتحان دینے کا طریقہ

۱۵- چھٹیاں گزارنے کی ہدایات

۱٦- گاؤں کے اور قریبی مسجد کے امام کا ادب کرنا

۱۷- چلتے پھرتے قرآن پڑھتے رہنا

۱۸- ہر سال بلاناغہ مصلی سنانے کی ترغیب

۱۹- فراغت کے بعد اساتذہ سے ملتے رہنا

۲۰- ادارے کے ہر استاد، حتی کہ ادنی ملازم تک کا ادب کرنا

۲۱- عملی اور کاروباری زندگی میں بھی دینداری کا اہتمام کرنا

۲۲- منتخب اچھی کتب کا مطالعہ کرنے کی ترغیب اور ان کی نشاندہی

☆☆☆

نمونے کے دو مذاکرے

۱- عظیم خزانہ

(نماز تہجد)

الحمدللّٰہ وحدہ ، والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ ، أما بعد!

عزیز طلبہ! آج آپ کے سامنے ایک انتہائی قیمتی نماز کا ذکر کروں گا۔ یہ نماز ہے تو نفلی مگر دین ودنیا کی بھلائی کا ایک عظیم خزانہ ہے۔ اس میں ذراسی مشقت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بارش کی طرح انسان پر برسنے لگتی ہے۔ وہ نماز، نماز تہجد ہے۔

نماز تہجد اس قدر اہم ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم فرمایا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ اگرچہ امت پر فرض نہیں کی گئی۔ قرآن پاک میں ہے:

" ومن اليل فتهجد به نافلة لك، عسىٰ ان يبعثك ربك مقاماً محموداً۔ [بنی اسرائیل:79]

''اور (اے پیغمبر!) رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو۔ جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے۔ امید ہے تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔''

اس سے پتا چلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد پڑھنے پر جنت کا سب سے بلند مقام عطا ہو رہا ہے۔ جو کسی اور نبی کو بھی نہ دیا جائے گا۔ ہم لوگ جب تھوڑی سی مشقت برداشت کریں تو

اللہ ہمیں بھی وہ چیز عطا فرمائیں گے جو خاص ہمارے لیے ہوگی۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وبالاسحار هم يستغفرون۔"[الذاریات:18]

''اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے۔''

مطلب یہ ہے اللہ کے نیک بندوں کی یہ عادت ہوتی ہے سحری کے وقت اٹھ کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔

اللہ کو یہ عمل بہت ہی پسند ہے۔ اسی لیے تو اسے اپنے خاص بندوں کی علامت قرار دیا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اللہ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کا ہے۔ اس وقت جب سب لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ آدمی اللہ سے چپکے چپکے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس کی ہر دعا قبول کرتے ہیں۔

استاد: ''آپ لوگ سمجھ رہے ہیں نا؟''

طلبہ: ''جی استاد محترم!''

بہر حال! تو جو لوگ تہجد کا اہتمام کرتے ہیں ان کو بہت لذت نصیب ہوتی ہے۔ ایک بڑے امام ابن المنکدر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''دنیا میں صرف تین مزے رہ گئے ہیں: ایک، رات کی عبادت۔ دوسرا، باجماعت نماز ادا کرنا۔ اور تیسرا، بھائیوں سے ملاقات کرنا۔''☆

اگر ہم بھی استقامت کے ساتھ مسلسل اللہ کی کوئی بھی عبادت بالخصوص تہجد ادا کرتے رہیں گے تو ہمارے لیے نہ صرف یہ کہ کچھ بھی مشکل نہ رہے گا۔ بلکہ شوق اور رغبت بڑھے گی، مزا آئے گا۔

استاد: ''کیوں بھئی! آپ عمل کی پوری کوشش کریں گے نا؟''

☆ نماز مسنون از صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ: 579

طلبہ: ''ان شاء اللہ!!!''

استاد: ''ماشاء اللہ! اللہ قبول فرمائے۔ آسان فرمائے۔''

دیکھیں! اللہ کی نعمتیں ہم دن رات کھاتے ہیں۔ یہ صحت، فراغت، بے فکری، حفظ قرآن، مدرسہ، اساتذہ۔ سب اللہ نے ہمیں عطا فرمایا۔ اب اس کی خاطر ہمیں چاہیے کہ اپنے جسم کو تھکا دیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ معمول سے زیادہ کھا لیتے تو تمام رات قیام فرماتے، نفلوں میں کھڑے رہتے۔ ساتھ فرماتے: جب گدھے کو چارہ زیادہ کھلایا جاتا ہے تو اس سے کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے۔☆

پیارے بچو! ہمارا تعلق تو قرآن پاک سے ہے۔ قرآن اور تہجد کا خصوصی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الیٰ غسق الیل و قراٰن الفجر'' [بنی اسرائیل:78]

(اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔'' ☆☆

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت میں تلاوت کا حکم دیا ہے۔

ایک حدیث پاک ہے۔ یہ حدیث پاک کی سب سے عظیم کتاب ''بخاری شریف'' میں لکھی ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے مکان میں تہجد کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ ساتھ ہی مسجد میں حضرت عباد رضی اللہ عنہ نماز تہجد پڑھتے ہوئے تلاوت فرما رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ کیا یہ عباد ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ۔ یہ سن کر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''رَحِمَ اللّٰهُ عبَاداً'' اللہ عباد پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔☆☆☆

دیکھیں! اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد میں قرآن پاک پڑھنے والے کو خوش ہو کر دعا

☆ نماز مسنون: صوفی عبدالحمید سواتی: 570

☆☆ آسان ترجمہ قرآن: 616

☆☆☆ بخاری شریف: 940/2

دی ہے۔اگر ہم بھی تہجد پڑھیں گے اور اس میں اپنی منزل دہرائیں گے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہمیں بھی ملے گی۔

استاد:''سب بچے غور سے سن رہے ہیں نا؟ اب تک کی گفتگو کا خلاصہ کون بتائے گا؟''

طلبہ:''ہم سب تیار ہیں استاد جی!''

استاد:''عبداللہ تم کھڑے ہو جاؤ۔عبداللہ آپ بتانا شروع کریں۔محمد! کہیں یہ بھولنے لگیں تو آپ بتاؤ گے۔''

عبداللہ:''استاد جی! آپ نے مذاکرے میں ہمیں تہجد کے بارے میں وعظ فرمایا ہے۔ جس میں آپ نے تین آیات مبارکہ اور دو واقعات ارشاد فرمائے ہیں۔''

محمد:''ایک حدیث پاک بھی تو ہم نے سنی ہے نا!''

عبداللہ:''استاد مکرم! ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تہجد کی نماز ادا کیا کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔اس وقت سب دعائیں قبول ہوتی ہیں۔تہجد میں تلاوت کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ملتی ہے۔مسلسل پڑھتے رہنے سے خوشی اور سرور ملتا ہے۔اور......''

عبدالرحمٰن:''استاد جی! ہم ان باتوں پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟''

بہت خوب! میں یہ بات بتانے ہی والا تھا۔تہجد کی اتنی بڑی فضیلت حاصل کرنے کے لیے ہمیں تھوڑی سی قربانی دینا ہوگی۔صبح عام نظم سے تھوڑی دیر پہلے جاگنا پڑے گا۔لیکن ظاہر ہے جلدی جاگنے کے لیے وقت پر سونا ضروری ہوتا ہے۔اس لیے آپ رات کی چھٹی ہونے کے بعد جلدی سو جایا کرو۔اللہ سے دعا کر کے سوئیں۔صبح ان شاءاللہ آپ کی آنکھ کھل جائے گی۔پھر دو رکعت یا جس قدر ہو سکے ادا کریں۔ اگر کسی کے لیے صبح اٹھنا بہت مشکل ہو تو وہ رات کو ہی کچھ نوافل تہجد کی نیت سے پڑھ کر سو جایا کرے۔ اس سے بھی ان شاءاللہ پورا اجر ملے گا۔لیکن آہستہ آہستہ صبح اٹھنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

استاد:''سب اس کی کوشش کریں گے نا ان شاءاللہ؟''

طلبہ:''(بلند آواز سے) ان شاءاللہ ہم آج رات سے ہی کوشش کریں گے۔''

سبحانك اللهم أشهد ان لااله الا أنت استغفرك و أتوب اليك

۲- دنیا وآخرت کی کامیابی کی ضمانت

(تین نمازیں: اشراق، چاشت، اوابین)

الحمدللّٰہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، أما بعد!

عزیز طلبہ کرام! آج کی نشست میں آپ کے سامنے دن کی نفلی نمازوں کا کچھ تذکرہ کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے پانچ فرض نمازیں ادا کرنا تو ہر حال میں لازم ہوتی ہیں۔ ادا کیے بغیر تو کوئی چارہ نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہمیں کچھ مخصوص نفلی نمازیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ ان کے بے شمار فوائد ہیں۔ کچھ فوائد دنیوی کچھ اخروی۔ بہر حال! ان اعمال میں مشقت بہت تھوڑی سی اور اجر وثواب بے انتہا ہے۔ یہ تین نفل نمازیں اشراق، چاشت اور اوابین ہیں۔

استاد: ''سب طلبہ میرے ساتھ مل کر ان کے نام دہرائیں۔''

طلبہ: ''اشراق، چاشت، اور اوابین۔''

ان نمازوں میں ہر ایک کے بارے میں 3، 3 باتیں بتاؤں گا۔ ان کا تعارف، فضیلت اور طریقہ۔ تمام طلبہ ساتھ ساتھ ذہن نشین کرتے جائیں۔

سب سے پہلے اشراق کی نماز ہے اور اشراق کا معنی ہے: روشن کرنا۔ اس کا وقت سورج نکلنے کے بعد جب اس کی دھوپ پیلی نہ رہے۔ بالکل صاف ہو جائے، شروع ہوتا ہے۔ یعنی سورج نکلنے کے تقریباً 15 منٹ بعد۔ اس کا نام اشراق اس لیے ہے کہ اسے دن کو خوب روشن کر کے پڑھی جاتی ہے۔ اس کی دو یا چار رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

ان دو یا چار رکعتوں کا ثواب بہت بڑا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ.... جنھوں نے بچپن

میں دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی تھی .... فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی۔ پھر وہیں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہوا۔ پھر اس نے دو رکعت نماز اشراق ادا کی۔ تو اسے ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شک دور کرنے کے لیے تین بار ارشاد فرمایا: پورے حج وعمرہ کا۔ پورے حج وعمرہ کا۔ پورے حج وعمرہ کا۔'' ☆

طلبہ اور اساتذہ جنہوں نے نماز فجر کے بعد طلبِ علم (تعلیم وتعلم) میں مصروف ہونا ہے۔ یہ حضرات اگر فجر کے بعد اسی جگہ بیٹھنے کے بجائے سیر، ورزش وغیرہ کریں اور بروقت درسگاہ میں حاضر ہونے کے لیے ضروری تیاری کریں، تو ان شاء اللہ ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی، بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات سے امید ہے کہ بیٹھنے والوں سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابرؒ کا یہی معمول تھا۔

طلبہ: ''سبحان اللہ!''

استاد: ''اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث پاک ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ جب فجر پڑھ لیتے تو اپنی نماز کی جگہ پر تشریف رکھتے۔ جب سورج اچھی طرح نکل آتا۔ تو پھر نماز (اشراق) ادا فرماتے۔ ☆☆

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول بتلا دیا۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اجر وثواب کے محتاج ہیں۔ ہمیں بھی اسی طرح عبادت کا حریص ہونا چاہیے۔

اس کا اصل طریقہ تو یہی ہے کہ اپنی جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے ذکر، درود شریف یا استغفار کرتے رہیں۔ جب وقت ہو جائے تو نماز اشراق ادا کر لی جائے۔ لیکن آپ اپنے وقت کے مطابق درس گاہ میں آکر اپنی پڑھائی شروع کرلیں۔ یہاں جو کچھ آپ تلاوت کریں گے۔ سبق

☆ الترغیب والترہیب: 164/1

☆☆ صحیح مسلم: 234/1

پڑھیں گے، اس کا ثواب تسبیح پڑھنے سے بھی زیادہ ہوگا۔ پھر جب ناشتے وغیرہ کے لیے باہر نکلیں تو نماز اشراق بھی ادا کرلیں۔ اگر درس گاہ شروع ہونے سے پہلے اشراق کا وقت ہو چکا تو 2 یا 4 رکعت پڑھ کر درس گاہ میں آئیں۔

دوسری نفلی نماز چاشت ہے۔ اسے صلوٰۃ الضحیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کی کم سے کم 2 رکعت اور زیادہ سے زیادہ 12 رکعت ہیں۔ یہ 10 بجے کے قریب ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بے شمار فضائل اور فوائد ہیں۔ اسی طرح یہ نماز انسان کے تمام اعضا کا صدقہ ہے۔ اس سے ہر ہر جوڑ کا شکر ادا ہوجاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی پر اپنے ہر جوڑ کا صدقہ دینا لازم ہے۔ صبح ہوتے ہی وہ یہ صدقہ ادا کرے گا۔ لیکن وہ صدقہ اللہ کے ذکر سے ادا کرے گا۔ اس طرح کہ ایک بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار الحمدللہ کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ کسی کو نیکی کی تلقین کرنا صدقہ ہے۔ کسی کو برے کام سے روک لینا صدقہ ہے۔ لیکن اگر ہر ہر جوڑ کا الگ الگ صدقہ ادا کرنے کے بجائے چاشت کی دو رکعت پڑھ لے گا تو اس کے پورے جسم کا صدقہ ادا ہوجائے گا۔☆

استاد: ''کیا خیال ہے، ہے نا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی انتہا؟''

طلبہ: ''بے شک!!!''

ہم کتنی غفلت کرتے ہیں! فرض نمازوں کے ساتھ مستقل نوافل ہم ادا نہیں کرتے۔ فرائض میں سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کا وبال تو اپنی جگہ ہے ہی، ہم نوافل نہ پڑھ کر اتنے بڑے اجر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جب ایک عام نفل نماز کے اجر کا یہ حال ہے تو فرائض، واجبات اور ان کے نوافل کے اجر کا کیا حال ہوگا!؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اگر میرے ماں باپ میرے لیے

☆ صحیح مسلم: 15/2

زندہ کردیے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں گی۔ ☆

عبدالرحمٰن: ''استادِ محترم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی بات کی سمجھ نہیں آئی۔''

استاد: ''شاباش! کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بت بن کے بیٹھے نہ رہنا چاہیے۔ فوراً پوچھ لینا چاہیے جیسے عبدالرحمٰن نے کیا۔''

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے میرے والدین کو زندہ کردیں۔ پھر مجھے کہا جائے۔ آپ کے پاس تھوڑا سا وقت ہے۔ اس میں چاہو تو والدین سے مل لو۔ چاہو تو چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لو۔ تو میں دوبارہ زندہ ہوکر آئے ہوئے والدین کی زیارت قربان کروں گی۔ مگر چاشت کی یہ دو رکعتیں نہ چھوڑوں گی۔ آپ خود سوچیں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد سب سے افضل انسان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جبکہ والدہ تھی اسماء بنت عمیس، خلیفہ المسلمین کی بیوی۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ میرے نزدیک ایسے عظیم الشان والدین کی ملاقات چھوڑ دینا آسان ہے، مگر چاشت مجھے ان سے زیادہ محبوب ہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ والدین کو دنیاوی محبت کی وجہ سے ملنا ہوتا، جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے ملاقات نصیب ہو رہی ہے۔ لہٰذا میں والدین کے بجائے اللہ سے ملاقات کرنا چاہوں گی۔ ظاہر ہے ان سے زیادہ دنیا پر دین کو ترجیح دینے والا کون ہوسکتا ہے؟

استاد: ''اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا شرف نصیب فرمائے۔''

طلبہ: ''آمین، یارب العٰلمین۔''

جب پڑھائی کا وقفہ ہو۔ اسے ادا کرلینا چاہیے۔ زیادہ وقت خرچ نہیں ہوتا۔

مگر یہ بات یاد رکھیں کہ آپ کی اپنی تعلیم، درسگاہ اور سبق کی پابندی یہ تمام نفلی عبادتوں سے افضل ہے۔ اس لیے ان عبادات کو چھٹی کے اور تعطیلات میں تو ہم خوب ادا کریں۔ یہ اجر اور فوائد لوٹیں۔ مگر دوران پڑھائی جب اور جتنا موقع ہو، اس سے فائدہ اٹھائیں۔

استاد: ''اگر آپ یہ بات سمجھ چکے ہیں تو میں آپ کو تیسری اہم نماز کا تعارف کرواؤں؟''

☆ مؤطا امام مالک: 136

طلبہ: ''جی استاد جی! ہم سب پُر شوق ہیں۔''

استاد: ''تیسری نماز کا نام کیا بتایا تھا؟''

نافع: ''اوابین''

جی ہاں! اوابین بھی نیکیوں کا خزانہ ہے۔ یہ مغرب کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ اس کی چھ یا بیس رکعات ہیں۔ بات کو مختصر کرتا ہوں۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھی۔ ان کے درمیان اس نے کوئی بری بات زبان سے نہیں نکالی تو اس کو 12 سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

سبحان اللہ! کتنی تھوڑی کوشش پر کتنا عظیم اجر! ہماری عمر زیادہ ہو نہ ہو مگر ہم ہر روز یہ چھ رکعت ادا کر کے صرف ایک ہفتے میں 42 سال کی عبادت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

عزیزانِ من! ہم طلبہ کے لیے اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد کی دو سنتوں میں ان دو نفلوں کی بھی نیت کر لیں۔ اس کے بعد دو نفل جو نماز کے ہیں، ان میں بھی اوابین کی نیت کر لیں۔ پھر ساتھ دو نفل مزید ملا لیں، اس طرح ہماری معمول کی رکعتوں کے ساتھ ساتھ پورے اوابین بھی ادا ہو جائیں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا مزید فضل ہوا کہ ایک نماز میں جتنی نیتیں کرتے چلے جائیں، اتنا ہی ثواب بڑھتا چلا جائے گا۔

استاد: ''کیا یہ عبادات، نوافل کچھ مشکل ہیں؟''

طلبہ: ''بالکل نہیں۔''

استاد: آج ہی ان پر عمل شروع کریں۔ کل میں پوچھوں گا۔ جس نے سارے نوافل ادا کیے، پڑھائی کا حرج کیے بغیر، اسے انعام دیا جائے گا۔

طلبہ: ''ہم ضرور کوشش کریں گے۔''

سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا اله الا أنت استغفرك وأتوب اليك

☆☆☆

آخری گزارش

یہ چند باتیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

آخر میں آپ سب حضرات سے گزارش کروں گا کہ ہم میں سے ہر ایک کو خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ حتی الامکان قرآن کریم سے اپنا تعلق مضبوطی سے قائم رکھے۔ محبت اور شوق کے ساتھ قرآن پاک کو پڑھے۔ بلا ناغہ اس کی تلاوت کرے۔ اپنی اولاد کو قرآن پاک پڑھانے کا اہتمام کرے، خصوصاً اہل علم حضرات سے اور قرآن پڑھانے والے قرائے کرام سے گزارش ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھانے کو اپنی سعادت سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ یا اللہ! ہمیں زندگی کے آخری سانس تک خدمتِ قرآن کی توفیق عطا فرما۔ ہمارا پڑھنا پڑھانا قبول فرما۔ اور بھرپور دیانتداری کے ساتھ، استغنا کے ساتھ، نیکی اور تقویٰ کے اہتمام کے ساتھ اپنی تمام تر توانائیاں قرآن کی خدمت میں صرف کردیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ضرور آپ کو دنیا میں عزت اور آخرت میں اعزاز سے نوازے گا۔ ان شاء اللہ! کسی کو میری کوئی بات ناگوار گزری ہو تو میں اس پر معذرت چاہتا ہوں۔

وما توفيقي الا بالله ، عليه توكلت واليه انيب

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

محمد یاسین

11-04-2011

تعلیمی رپورٹ

تدریس قرآن میں بہتری، تحفیظ کی پختگی اور تربیت کی ہمہ گیری کے لیے حضرت اقدس حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے متنوع تعلیمی خصوصیات کے حامل، ''تعلیمی رپورٹ'' کے نام سے 24 صفحات کا ایک ''احتساب نامہ'' تیار فرمایا تھا۔ جو سالہا سال سے حضرت والا قاری صاحب کے زیرنگرانی حفظ کی تمام تعلیم گاہوں میں نصاب اور نظام کا لازمی حصہ ہے۔ اس تعلیمی رپورٹ کے اندراج کا عمل طالب علم کے داخلے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کے بنیادی کوائف کے علاوہ جامعہ کے ساتھ اس کا معاہدہ نامہ، نیز اجتماعی و انفرادی تعطیلات کا حساب درج کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دو عدد نقشے بنائے گئے ہیں، جن میں حفظ اور گردان میں ہر ہر پارے کے الگ الگ امتحان کا نتیجہ درج ہوتا ہے۔ طالب علم جب تک ایک پارے میں پاس نہ ہو جائے اگلا پارہ شروع نہیں کرسکتا۔ پھر سال بھر میں تین امتحان کے نتائج کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ طالب علم کے اخلاق، تربیت اور نمایاں تعلیمی کارکردگی کے حوالے سے متعلقہ استاد محترم کی رائے لکھوا کر والدین کے دستخط لیے جاتے ہیں۔

تعلیم، تربیت، احتساب اور ترقی کے عمل کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے یہ ایک نادر چیز ہے۔ مدرسین اس سے استفادہ فرمائیں۔ (مرتب)

نام طالب علم ________ درجہ ________ تعلیمی رپورٹ ________

یونیورسٹی آف کراچی سے پی ایچ ڈی میں کامیاب،
ساڑھے پانچ سو صفحات کا تحقیقی مقالہ

پراپرٹی کی خرید وفروخت
اور
کرایہ داری کے جدید احکام

(زیر طبع)

- جائیداد کے کاروبار کی قدیم وجدید صورتیں
- اسٹیٹ ایجنسی کے مفصل احکام
- معاصر تطبیقات

مفتی محمد حسین

(0300-3369748)

تحقیقی، فکری، تاثراتی اور معلوماتی تحریریں

ملکی اخبارات، جرائد اور ضرب مومن میں
سلسلہ وار شایع ہونے والے کالم

(زیرِ تکمیل)

عمر فاروق راشد

mufarooq111@gmail.com/0323-7000360

السند المتصل

الشيخ القارى محمد ياسين حفظه اللّٰه ورعاه

عن الشيخ القارى رحيم بخشؒ، **عن** الشيخ القارى فتح محمدؒ، **عن** الشيخ القارىؒ محى الاسلام العثمانىؒ، **عن** الشيخ القارى عبدالرحمن الأعمىؒ، **عن** الشيخ القارى عبدالرحمن المحدث بن القارى محمدى و الشيخ القارى نجيب اللّٰه و الشيخ القارى كبيرالدين، عن الشيخ القارى امام الدين الأمروهىؒ، **عن** الشيخ القارى محمدنِ المعروف كرم اللّٰه الدهلوىؒ، **عن** الشيخ القارى قادر بخشؒ و الشيخ القارى محمدىؒ، **عن** الشيخ القارى الشاه عبد المجيد الدهلوىؒ، **عن** الشيخ القارى غلام مصطفىٰ التهانيسرى ثم الدهلوىؒ، **عن** الشيخ القارى غلام محمدنِ الدهلوىؒ، **عن** الشيخ القارى عبد الغفور الدهلوىؒ، **عن** الشيخ القارى عبد الخالق المنوفىؒ، **عن** الشيخ القارى شمس الدين الاعمىؒ، **عن** الشيخ القارى عبدالرحمٰنؒ، **عن** الشيخ شحاذه اليمنى و الشيخ الشهاب احمد السنباطىؒ، **عن** الشيخ ابى نصر الطبلاوى و الشيخ الجمال يوسفؒ، **عن** الشيخ القاضى زكريا الأنصارىؒ، **عن** الشيخ رضوان الدين أبى نعيم و الشيخ برهان الدين القلقيلىؒ، **عن** الشيخ المحقق شمس الدين ابى الخير محمدنِ الجزرىؒ، **عن** الشيخ محمد عبدالرحمن البغدادىؒ، **عن** الشيخ أبى عبداللّٰه محمدنِ الصائغؒ، **عن** الشيخ أبى الكمال الضرير وصهر الشاطبى، **عن** الشيخ ولىّ اللّٰه أبى محمدنِ القاسم الشاطبىؒ، **عن** الشيخ أبى الحسن علىّ ابن هذيلؒ، **عن** الشيخ أبى داؤد سليمان بن نجاح، **عن** الشيخ أبى عمر و عثمان بن سعيد الدّانى، **عن** الشيخ أبى الحسن طاهر بن غلبونؒ، **عن** الشيخ أبى الحسن علىّ بن محمدنِ الهاشمى الأعمى، **عن** الشيخ أبى العباس أحمد الأشنانىؒ، **عن** الشيخ أبى محمد عبيداللّٰه ابن الصباحؒ، **عن** الشيخ سيدالطائفة أبى عمرو حفص نِ الكوفىؒ، **عن** الشيخ الامام عاصم نِ الكوفىؒ، **عن** الشيخ زرّ بن حبيش و الشيخ عبداللّٰه بن حبيب و الشيخ سعد بن الياس، **عن** سيدنا عثمان و سيدنا على و سيدنا عبداللّٰه بن مسعود و سيدنا أبَىّ بن كعب و سيدنا زيد ثابت رضى اللّٰه عنهم، **عن** رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم، **عن** جبريل عليه السلام، **عن** الحق سبحانهٗ و تعالىٰ.

صاحب کتاب

نام: مولانا قاری محمد یاسین مدظلہم العالی
فاضل درس نظامی: جامعہ خیرالمدارس، ملتان
شاگرد خاص و داماد: حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

بیعت و خلافت

مفتی اعظم مفتی عبدالستار رحمۃ اللہ علیہ
قطب الاقطاب حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

مناصب

بانی و مہتمم: جامعہ دارالقرآن، مسلم ٹاؤن و جامعہ ضیاءالقرآن ماڈل ٹاؤن، فیصل آباد
رکن: شوریٰ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

خدمت قرآن

45 سال سے حفظ کی تدریس
2 مرکزی جامعات برائے بنین و بنات، اور 12 سے زائد ملک و بیرون ملک شاخوں کے مدیر

اس کتاب میں

- مدرس قرآن کی قدم بہ قدم پیشہ ورانہ رہنمائی
- ابتدائی قاعدے سے فارغ التحصیل کرنے تک آپ حفظ کی تدریس کیسے کریں؟
- دوران تدریس پیش آنے والی مشکلات کا حل
- اساتذہ فن، اکابر قرائے کرام کے خصوصی واقعات، ذاتی مشاہدات کی روشنی میں
- مجدد القراآت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے تدریسی زندگی کے احوال
- مدرس قرآن کے اوصاف اور قابل اصلاح امور کی نشاندہی
- اپنے طلبہ کی تربیت کیسے کریں؟

❖ حضرت قاری صاحب کے نصف صدی پر محیط تجربات کا نچوڑ
❖ مربیانہ انداز گفتگو، مصلحانہ رہنمائی، مجددانہ شان کے ساتھ

- اصلاح مدرسین پر مبنی، اپنے موضوع پر پہلی بار ایک مکمل دستاویز
- مدرسین قرآن، مہتمم حضرات اور ناظمین مکاتب قرآنیہ کے لیے نایاب تحفہ

ادارہ معارف الفتح والرحیم، فیصل آباد